مجلسی مسائل

آقا خسرو [illegible]

بمبئی

(ناول)

آغا حشؔر کاشمیری

ترتیب — و — تہذیب

محمد عبداللہ قریشی

ناشران

آئینۂ ادب۔ چوک مینار انارکلی، لاہور

بار	اوّل
تعداد	۱۱۰۰
تاریخ اشاعت	جولائی ۱۹۶۳ء
کتابت	سرور صدیقی
مطبع	اشرف پریس لاہور
قیمت	تین روپے

اہتمام

م، ع، سلام - آئینہ ادب - چوک مینار

انار کلی لاہور

حرفِ اوّل

آغا حشر کاشمیری ایک کامیاب ڈرامہ نگار تھے۔ ان کے بعض ڈرامے متعدد یونیورسٹیوں میں بطور نصاب پڑھائے جاتے ہیں۔ اگرچہ ابھی تک حشر کے فن اور ادب پر بہت کم کام ہوا ہے لیکن امید ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ یہ سلسلہ بھی جاری رہے گا اور آغا حشر کے ڈرامے ہمارے ادب کی لافانی یادگار بن جائیں گے۔

بہت کم لوگوں کو اس بات کا علم ہوگا کہ آغا حشر نے ڈرامانگاری سے بیشتر ناول نویسی شروع کی تھی۔ خوش قسمتی سے مجھے ان کا ایک ناول "بمبئی کے عجائبات" ملا ہے جو انہوں نے ۲۰ دسمبر ۱۹۰۰ء کو لکھا اور روز بازار سٹیم پریس امرتسر نے اسے شائع کیا تھا۔ اس

وقت آغا حشر کی عمر اکیس[1] برس کے لگ بھگ تھی۔ بعد میں ان کی زندگی ڈراما نگاری کے لئے وقف ہو کر رہ گئی اور لوگ اس ناول کو بھول گئے۔

یہ ناول بھی ایک طرح سے آغا حشر کی ڈراما نگاری کا مقدمۃ الجیش ہے۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ قدرت ابتداء ہی سے ان سے ناول نگاری کی بجائے ڈراما نگاری کی خدمت لینا چاہتی تھی۔ ناول میں مقالمے بہت زیادہ ہیں۔ چلتے پھرتے کرداروں کی بول چال میں وہی بلند آہنگی —— زور بیان —— تسلسل —— اور اختصار پایا جاتا ہے جو ڈرامے کے نہایت ضروری اوصاف ہیں۔ پھر ناول کا اختتام بھی ڈرامائی انداز سے ہوا ہے۔

---

[1] تاریخ پیدائش شب جمعہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۲۹۶ھ (۳ اپریل ۱۸۷۹ء) اور تاریخ وفات ۲۸ اپریل ۱۹۳۵ء ہے۔

"بمبئی کے عجائبات" میں بمبئی کے اندرونی حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے اور بدمعاش گروہ کی کارستانیوں کا سُراغ لگایا گیا ہے جو حیرت انگیز ہے۔ اس میں نہ ابتذال ہے نہ سوقیانہ پن، بلکہ یہ نہایت دلچسپ اور سنسنی خیز ہے۔ محبت کے پاکیزہ جذبات اور زندگی کی کشمکش سے لبریز ہے۔ زبان سلیس اور فصیح و بلیغ استعمال کی گئی ہے۔

البتہ اس کا سب سے بڑا عیب یہ تھا کہ کاغذ گھٹیا درجے کا اور کتابت بے حد گنجان، ناقص اور پرانے طرز کی تھی بیان اور مکالمے گڈ مڈ تھے۔ پڑھنے میں اُلجھن ہوتی تھی۔ میں نے بڑی احتیاط سے شروع سے آخر تک اسے از سرِ نو لکھا ہے۔ غلطیوں کی اصلاح کی ہے۔ املا میں مناسب تبدیلیاں کی ہیں۔ لمبے لمبے پیروں کی جگہ چھوٹے چھوٹے موزوں پیرے بنائے ہیں اور مکالموں کو نمایاں کر دیا ہے۔ اب یہ تر یسٹھ برس پہلے کی نہیں بلکہ آج کی بالکل جدید تصنیف معلوم ہوتی ہے جسے میں پیش کرنے کا فخر حاصل کرتا ہوں۔

(محمد عبداللہ قریشی)

۱

خون کا جوش

مغروق

گرمیوں کی ایک شام۔ بندرگاہ۔ پانی کی سبزی مائل نیلی چادر۔ ہلکی ہلکی لہریں یا کسی سبزہ رنگ ماتھے کی مٹیخی جھریاں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کی دھیمی دھیمی سرسراہٹ۔ فضاءِ آسمان کا نیلگوں پردہ تنا ہُوا۔ شکاری پرند ادھر اوپر سے سیدھ باندھ کر گرتے ہیں اور غوطہ لگاتے ہی اُن چھوٹی چھوٹی ننھی ننھی جانوں کو لقمہ کر جاتے ہیں جو اس وقت دن بھر کی تپش کے بعد ہوا کھانے کے لیے ادھر اُدھر تیرتی پھرتی تھیں۔ شیشے کی طرح گہرا نیلا آسمان اور ہماری آنکھوں کے سامنے والی سیتلی پانی (یعنے سمندر) گویا دو دوست ہیں جو دور تک آپس

میں گلے ملنے کے لیے جھکتے چلے گئے ہیں اور حدِ نگاہ تک جاکر برسوں کے بچھڑے ہوؤں کی طرح ایک جان دو قالب ہو گئے ہیں۔

جھٹ پٹا ہوتے ہی سناٹا شروع ہو چلا تھا لیکن رات کی آمد آمد دیکھ کر بڑی بڑی مچھلیاں، نہنگ، سوس اُچھل اُچھل کر جہاں تہاں پانی کے سکون میں خلل ڈال رہے ہیں اور یہی متواتر آوازیں ہیں جو کھاڑی کے کنارے کنارے چلنے والوں کی نگاہیں اپنی طرف متوجہ کیے لیتی ہیں۔ اوہو! دیکھنا۔ سطحِ آب سے دو ڈیڑھ سو فٹ بلندی پر ایک بہت ہی مضبوط جست سے منڈھا ہوا تار بھی تو سر تا سر کھچا ہوا ہے جس میں موٹے موٹے ڈلدار شیشوں کی لالٹینیں ایک بڑے اونچے برج تک جگمگاتی چلی گئی ہیں۔ روشنی بھی گیس کی روشنی ہے کہ اگر اس لالٹین کے نیچے تنکا بھی پڑا ہو تو آدمی جھک کر فوراً اُٹھا لے۔ بُرج جس کا نام ہے یہ بھی عجیب شعلۂ جوالہ ہے کہ عقل کام نہیں کرتی۔ تمام لالٹینیں ایک کے بعد ایک اسی تک جاکر ختم ہوتی ہیں کھاڑی کے کنارے سے خدا جھوٹ نہ بلوائے تو یہ کوئی تین چار میل ہوگا۔ مگر اس بلا کی روشنی ہے کہ بالکل یہ معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی دو تین ہزار قدم پر دھڑ دھڑ جل رہا ہے۔

آخر یہ ہے کیا ؟ ادھر، ادن کو جو کبھی کبھار ادھر آنے کا اتفاق ہوا ہے تو اس پر ایک جھنڈی بھی لہراتی دیکھی ہے - بس بس سمجھ گئے یہ برج ورج نہیں ہے - اصل میں یہ بھی ایک لال ٹین ہی ہے جو سب سے زیادہ بڑی اور سب سے زیادہ اونچائی پر سب کی سرتاج بنی ہوئی جھلمل جھلمل کر رہی ہے - اس لیے کہ ادھر آنے والے جہازوں کے ناخدا (کپتان)، دور بینوں سے دیکھتے ہی شاد شاد ہو جائیں اور کئی گھنٹے پہلے اپنے تمام اسٹاف (کارپرداز) اور مسافروں کو خوش خبری دے دیں کہ منزل طے ہو گئی - بمبئی پہنچ گئے -

لیکن دیکھنا! جس قدر اندھیرا زیادہ ہوتا جاتا ہے سمندری لال ٹینوں کا عکس برابر پانی پر پڑتا ہوا کیسا بھلا معلوم ہوتا ہے - اور خصوصاً اس وقت جب ہوا کا کوئی تیز جھونکا پانی کو بے طرح لہرا دیتا ہے اور اس پر آرام سے ہاتھ پاؤں پھیلائے سونے والا روشنی کا عکس بھی اس کے ساتھ ہی مچلنے لگتا ہے - آہا آہا - جیسے سونے روپے کے سینکڑوں ٹوٹے چلے تار - مگر افسوس ہے تو یہ کہ جہاں رات ہوئی، ادھر بہت ہی کم رستہ چلنے لگا - اس دلچسپ نظارہ کا حظ اٹھانے والا کوئی نہیں - یہ مقام ماہی ڈول یا چوپاٹی ہے - شہر بھی یہاں سے کسی قدر فصل پر ہے - گو

اس سے کوئی دو ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ان بنچوں پر جو سمندر کے کنارے کنارے سڑک چھوڑ کر دو طرفہ بچھی ہوئی ہیں، کچھ لوگ آ بیٹھتے ہیں مگر اس وقت تو اکا دکا بھی کہیں نہیں دکھائی دیتا۔

چوپاٹی کی دوسری طرف گھوڑا گاڑیوں اور شہر کے چو طرفہ دوڑنے والی ریلوں کی آوازیں اچھی طرح سنائی دے رہی ہیں۔ یہ بنچوں کا سلسلہ پانی کے کنارے کنارے بہت دور تک چلا گیا ہے بلکہ یوں سمجھیے کہ اگر کوئی تیز رفتار شخص ادھر رستہ چلے تو یقین ہے کہ تیس منٹ ختم ہوتے ہوتے تک تو وہ بے شبہ بنچیں ہی بنچیں دیکھتا چلا جائے گا لیکن جس قدر آگے بڑھتا جائے گا کچھ غیر آبادی سی بھی ہوتی جاتی ہے۔ راستہ اُجاڑ اُجاڑ معلوم ہو رہا ہے۔ پختہ کنارہ بھی اب نہیں رہا۔ اندھیرا بھی بڑھتا جاتا ہے۔ اچھی خاصی رات بھی ہو گئی ہے۔ آسمان پر تارے بھی بہت گچھ پچ ہو کر نکل آئے ہیں۔ پہلے تو لال ٹینوں ہی کی روشنی صرف ایک سیدھ میں چلی گئی تھی مگر اب تو تمام سمندر میں چراغاں کا عالم نظر آنے لگا۔ واہ وا نیچر بھی کیا چیز ہے۔ وہ جو کہتے ہیں گھڑی میں گھڑیال، وہ اسی کا نام ہے۔ [ایک سنسان جگہ سے کوئی سیاہ سی لمبی پوٹ کی پوٹ دھڑام سے پانی میں گر پڑی] پانی کی آواز شہر۔ شہر۔ شہر۔ ہائیں۔

یہ کیا تھا؟ کوئی دریائی جانور ہوگا - دریائی جانور کیا؟ مگر ہے مگر - وہ چلا - وہ غوطہ لگایا - وہ پھر ابھرا - کم بخت پانی کو اس طرح چیرتا چلا جاتا ہے جیسے مست ہاتھی آدمی کو - وہ دیکھئے گردن - وہ لمبوترا سا منہ - وہ زور زور سے بل کھاتی ہوئی کانٹے دار دُم - وہ ٹھہرا - وہ پھرا - الٰہی توبہ! کیا بری صورت ہے کم بخت کی - اُف! آنکھیں ہیں یا دو مشعلیں روشن ہیں -

(سامنے سے دو کشتیاں جھپٹی چلی آتی ہیں)

ہائے غضب ہوگیا - خدا جانے کشتی میں بیٹھنے والوں کے پاس اس موذی کی ہلاکت کا کوئی سامان بھی ہے یا نہیں؟ لو وہ ظالم انہی کی طرف بڑھا - کنارہ یہاں سے کوئی نصف میل پر ہوگا - ادھر تو کشتیاں بڑی تیزی سے خشکی کی طرف بڑھ رہی ہیں اور ادھر یہ سفّاک اپنے دانتوں کی چھریاں تیز کیے ان بے خبروں کا جان لیوا بنا ہوا ہے - الٰہی خیر! کشتیوں میں بیٹھنے والے بھی کُلّھم چار ہی آدمی معلوم ہوتے ہیں - خدا جانے مرد ہیں یا عورتیں - لیکن کھینے والے تو یقیناً مرد ہی ہوں گے -

(لالٹین کی چمک ان میں سے ایک پر پڑتی ہے)

افسوس اگلی کشتی میں دونوں اجل رسیدہ عورتیں ہی ہیں اب پچھلی

کشتی کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ یہ دونوں مرد ہیں۔ زور زور سے چپو مارے جا رہے ہیں اور زیادہ اندھیرا ہو جانے کی وجہ سے خشکی کا بہت ہی بے چینی سے انتظار کیا جا رہا ہے مگر مگّہ یا تو پانی پر دم مارتا ہوا غصّے بھرے نتھنوں سے ان پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا یا عین لال ٹینوں والے تار کے نیچے غوطہ لگا کر غائب ہو گیا۔ شکر ہے بیچاروں کی جانیں تو بچیں۔

لیکن ہیں! یہ جستی تار میں سے ایک پتلا سا تار اور کیسا لٹکنے لگا۔ ہائیں۔ ہائیں! وہ تو سیدھا بڑھتے بڑھتے پانی میں ایک لمبی سلاخ کی طرح ڈوب گیا۔ یہیں تو مگّہ نے بھی غوطہ لگایا تھا شاید۔

پانی میں کسی چیز کے ڈوبنے کی آواز۔ غڑ۔ غڑ۔ غڑ۔ تھوڑی دیر میں بلبلے اٹھے۔ بڑے بڑے بلبلے اٹھے اور ایک خول سا اوپر پانی پر سانپ کے پھن کی طرح تیرنے لگا۔ ابن گل دیگہ شگفت۔ کہیں یہ منہ تو نہیں اس مگّہ کا۔ الغیب عند اللہ۔ لو قیامت ہو گئی۔ وہ کشتیاں اجل کے منہ میں پہنچ گئیں۔ کشتیاں کہاں؟ صرف پچھلی کشتی اب قریب آ گئی ہے۔ کیونکہ پہلی جس میں عورتیں تھیں وہ تو جب ہم ادھر متوجہ تھے خول کے پانی پر تیرنے سے پہلے ہی یہاں سے نکل گئی تھی۔ بس اب

مچھلی ہی رہ گئی ہے۔ وہ آئی۔ وہ آئی۔ اب تو اچھی طرح اس میں بیٹھنے والوں کی حالت دکھائی دے سکتی ہے۔ ایک ان میں سے خادم ہے اور دوسرا مخدوم۔ اس کی زرق برق پوشاک اور سونے کی چین و زنجیر، ہیرے جڑی کئی انگوٹھیاں بتا رہی ہیں کہ وہ ایک امیر آدمی ضرور ہے۔ لیکن افسوس ابھی عنفوانِ شباب ہی ہے۔ دوسرا آدمی کھے رہا ہے اور یہ بنسیاں لیے متفکر بیٹھا ہے کہ کب کنارہ آئے اور کب اتر دوں۔ بہت سی چھوٹی بڑی مچھلیاں بھی تختے پر پڑی ہیں۔ کچھ کانٹے کچھ چارہ، کچھ ڈور ایک طرف دھری ہے۔ اُف وہ خول پانی سے اُبھرا۔ وہ دوڑتی ہوئی کشتی اس سے اٹکی وہ سوار نے زور سے کشتی آگے بڑھانے کو چپو مارا۔ وہ کشتی اُلٹی۔ وہ دونوں کے دونوں بدحواس ہو کر پانی میں گرے۔ وہ کسی نے پہاڑ سا منہ کھول دیا اور دونوں کو نگل گیا۔

۲

دو پیاری پیاری صورتیں اور عالمِ اضطراب

بھنڈی بازار۔ حاجی اسماعیل کی چال۔ سب سے اوپر کا مالا۔ دھوپ تیز ہو چکی ہے۔ سورج کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا تو درکنار، ٹین کے سائبان کے نیچے ٹھہرنا محال ہے۔ یہ مالا دو کمروں پر منقسم ہے۔ ایک حصے میں جو دُور تک باہر کے رُخ چلا گیا ہے، نوکر چاکر رہتے ہیں اور دوسرے حصے میں صاحبِ خانہ یا مالک۔ مالکن ہیں سوائے دو نوجوان عورتوں کے ظاہراً تو اور کوئی نہیں ہے۔ ایک حبشن نوکروں کی وضع میں لال گھیردار تنگ موری کا پاجامہ پہنے، موٹے موٹے ہونٹ لٹکائے تیوری چڑھائے بیگموں کے پاس بیٹھی ہے۔ بیگمیں یا صاحبِ خانہ

ہو رہی ہیں پہناوے اور بات چیت کے لحاظ سے بمبئی کی نہیں معلوم ہوتیں بلکہ ہندوستان میں بھی کسی شکستہ و رفتہ خطے کی۔ کمرے کی زیبائش اور فرش و فروش کا نظارہ یہ بتائے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مالک مکان کو فینسی (عمدہ) چیزوں سے مکان سجانے کا بہت ہی شوق ہے مگر خدا جانے کیا بجوگ پڑا ہے کہ بدیں تزک و احتشام یہ دونوں عورتیں انتہائی اداس اداس معلوم ہوتی ہیں جس کی وجہ بغیر دریافت کئے ہم نہیں بتا سکتے۔ ایک قیمتی گبھے پر سفید چاندنی بچھی ہوئی ہے اور اس پر یہ دونوں شوربہ کی تپلیاں گردن جھکائے چپ بیٹھی ہیں۔ جبشن اپنے کرخت لہجے میں (خاموشی سے اکتا کر) "خوام (ہم) اب جاتی ہوں۔ زنگو کے باپ اور شیٹھ (سیٹھ) کا پتاد (پتہ) لگاتیے۔ پولیس والے کو کھبر (خبر) بولیے۔ ایسا تو برسوں بومبی (بمبئی) میں رہ کر ام (ہم) نہیں دیکھا......"

کمسن عورت۔ (جس نے اس اطلاع پر اپنے خیالی سلسلہ کو وہیں کا وہیں چھوڑ کر جلدی سے گردن اٹھائی تھی) "نہیں کوئی ضرورت نہیں۔ تم اپنے گھر ابھی نہ جاؤ بلکہ ہمارا رقعہ لے کر دکان پر جاؤ۔ وہاں سب نوکر چاکر، دلال آنے جانے والے سیٹھ ان کے انتظار میں ہونگے۔"

اتنا کہنا تھا کہ بے اختیار اس کی نرگسی آنکھوں میں آنسو

ڈبڈبا آئے اور یہ آنسو پی کر طبیعت کو سنبھال پھر کہنے لگی "ہاں تو تم وہ رقعہ جمسا بھائی بھیم جی کو دے دینا"۔ (پھر رونے لگتی ہے)

اس کی یہ حالت دیکھ کر دوسری ہمنشین بھی ساتھ ہی موتی کی لڑیاں پرونے لگی ــــ تھوڑی دیر تک دل کی بھڑاس نکال لینے کے بعد دوسری عورت بولی :-

"بوا! رقعہ سے فائدہ؟ میں تو جانوں اکبر آباد سے تار دے کر محمد یعقوب یا بڑے بھائی صاحب کو بلوالو۔ کہیں ایسا نہ ہو سارے میں خبر ہو جائے تو اور......" (چپ ہو گئی)

پہلی حسینہ "بھابی جان! وہاں سے کسی کو بلانے میں تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن سب سے پہلے اپنے گھر، اپنی دکان کا بندوبست بھی تو ضروری ہے۔ خدانخواستہ خدانخواستہ دشمنوں کے کان بھرے، کسی کو اصل بات کی خبر ہو گئی تو پھر نہ اُلٹی لی جائے گی نہ سیدھی۔ یہ موئی بمبئی ہے۔ سب لوٹ لاٹ گھر میں رکھ لیں گے اور ہمیں اپنی عزت بچانی بھی مشکل ہو جائے گی۔ میں چاہتی ہوں کہ چپ چپاتے پہلے جمسا بھائی کو بلا کر دفتر کی کنجیاں لے لوں۔ دکان کا بندوبست ہو جائے تو پھر منیم (منیب) سے بھی کھاتے طلب کر دوں اور کچھ دن کے لیے

دکان یک لخت بند کر دوں۔ بازار کے لین دین کے لیے کہہ دوں گی سیٹھ گھر گئے ہوئے ہیں جب وہاں سے اللہ رکھے پھریں گے، تو جب دیکھی جائے گی۔ رہیں آج کل کی ہنڈیاں پرچے، یہ میں آج ہی سکارے دیتی ہوں بھابی! خدا پہ نظر رکھو۔ انشاء اللہ کوئی بات اُٹھا نہیں رکھوں گی۔ گھبراؤ نہیں۔ پہلے اپنے گھر کا ٹھیک ٹھاک تو ہو جائے"

یہ کہہ کر یہ ہندوستانی لیڈی آنسو پونچھتی ہوئی سرو قد کھڑی ہو جاتی ہے۔ اللہ اکبر! جتنی حسین ہے اتنی ہی پہناوے میں بھی دلربائی ہے۔ اس وقت یہ پارسیوں کی سی ریشمی سبز بیل دار ساڑھی آدھی باندھے آدھی اوڑھے ہوئے ہے۔ نارنجی اطلس کی قمیص یا ویسٹ کوٹ نما محرم اس کے گورے گورے پنڈے پر کچھ ایسی بھلی معلوم ہوتی ہے کہ بس دیکھنے والے کی آنکھیں ہی خوب جانتی ہیں۔ گلے میں سوائے جڑاؤ گلوبند کے اور کچھ نہیں ہاں کانوں میں فقط ایک ڈال کے سبز رنے، نافہم سے زیادہ نرم نرم گالوں پر بار بار اِدھر اُدھر گر کر اپنے پیارے پیارے نشان ڈالے دیتے ہیں۔ آہوانِ چشم گو سرمۂ تحریر کے عادی نہیں لیکن قدرتی موتی جو کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں، اِدھر آنے والی نگاہوں کو بے ہوش کیے بغیر نہیں واپس آنے دیتے۔ ساڑھی کا ایک آنچل جو ماتھے سے سر تک اوڑھ لیا

گیا ہے ، اس خوب صورتی سے مقید ہے کہ اُسے کسی طرح کی حرکت پر

مچل مچل کر گرنے کی اجازت نہیں ملتی اور یہ ایک طلائی پتلے سے حلقے

کی کارستانی ہے جو چاند سی پیشانی پر ساڑھی کا آنچل دو طرفہ دبا تا ہوا کنپٹیوں

پر جا کر عینک کی کمانیوں کی طرح مڑ گیا ہے ۔ سر کے لمبے بال کھلے رہنے

یا چوٹی کی صورت میں کمر لچکانے کے واسطے نہیں بلکہ انہیں اِدھر اُدھر

سے خوب مشکیں باندھ کر سر کے پیچھے گول چکر سا بنا یا گیا ہے جس میں

سنہری روپہلی پھول اچھے موتیوں کی لڑیاں موقع موقع سے سجی ہوئی ہیں ۔

لمبی گردن ، اُبھرا سینہ ، ڈھلا ہوا جسم ، پتلی کمر ، سڈول رانیں ، صاف

شفاف پنڈلیوں میں ریشمی سیاہ جرابیں ، سر سے پیر تک اسے ایک سادگی

کی جان بنائے ہوئے ہیں ۔ اپنی جگہ سے یہ نازنین کمرے میں ایک کونے

کی طرف بڑھی ، اور جہاں ایک لمبی میز اعلیٰ درجہ کی سجی ہوئی میز لگی ہوئی تھی

یہاں آئی ، کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی ۔ پیپر ویٹ (وزن) کے نیچے سے ایک سادہ ورق

نکالا ۔ پتلی پتلی انگلیوں سے خوش نما قلم اُٹھایا ۔ دوات برابر رکھی ۔ جاذب کے

ایک بڑے تختے پر کاغذ رکھ کر یہ حکمنامہ لکھنا شروع کر دیا :-

BABU JAMSA BHAI BHIMJEE!

HAVE TO ASK ABOUT AN URGENT

WORK. PLEASE COME AT ONCE.

GOHAR BAI

(FOR HER BROTHER)

ترجمہ: بابو جیسا بھائی بھیم جی! ایک نہایت ضروری کام کے متعلق آپ سے رائے لینی ہے۔ مہربانی کر کے فوراً چلے آؤ۔

راقم

گوہر بائی از جانب برادر خود

۲۰ر جون ۸۳ء

یہ چند لفظ تھے جو سطروں کا لباس پہن چکے اور آخر انھیں جاذب سے خشک کر کے لفافہ میں بند کیا گیا۔ پتہ نشان لکھ دینے کے بعد وہ جلشن کے سپرد ہوا کہ انھیں مکتوب الیہ کے پاس پہنچا دے۔

جوہر بائی۔ (جو ابھی تک اسی طرح مغموم بیٹھی ہوئی تھی) "بہن! اچھی طرح تم نے سوچ سمجھ بھی لیا؟"

گوہر بائی: "جی ہاں سمجھ لیا۔ آپ اس معاملہ میں کچھ ڈر کے نہ دبیں۔ اگر خدا کو ہماری بے کسی کا خیال ہے تو ضرور میری کوششوں میں برکت دے گا۔"

جبکہ ان کی یہ باتیں سنتی ہوئی چلی جاتی ہے اور یہ دونوں نند بھاوجیں ایک دوسری کو مظلوم بنا ہوا دیکھنے کے بے بس رہ جاتی ہیں۔ تھوڑی دیر سکوت کے بعد۔

جوہر بائی۔ ہائے بہن! میرا تو دم فنا ہوا جاتا ہے۔ کیونکر نہ بولوں، ہائے اب کیا ہوگا؟ میں کہتی ہوں کیونکر جئیں گے۔ کیا اب تمام عمر کے لیے ہم ان سے چھوٹ ...... (دل بھر آیا اور یہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی)

گوہر بائی۔ (جو خود بھی اسی بلا میں گرفتار ہے۔ بھاوج کا یہ حال دیکھ کر اس سے کب رہا جاتا تھا۔ کسی قدر پلکیں آنسوؤں سے بھگو کر) "بھابی جان! للہ صبر کرو۔ خدا کے لیے اس رونے دھونے کو ابھی تھمہ کر رکھو۔ ہائے کیا تم مجھے بالکل ہی نا امید کر دو گی؟ کیا خدانخواستہ خدانخواستہ خاک میرے منہ میں، تمھاری طرح مجھے بھی بہن بندی کی آس چھوڑ دینی چاہیئے۔ ہے ہے بہن۔ ہرگز نہیں۔"

جوہر بائی۔ بُوا جب ہی تو میں کہتی تھی کہ گھر والوں میں سے کسی کو بُلوا لیں تو دکان کا کام کاج سنبھل جاتا اور (ٹھنڈی سانس لے کر) کچھ ان کا بھی پتہ (آنکھوں سے جھڑی شروع ہو جاتی ہے اور یہ اپنے آپ کو سنبھال کر رُک رُک کر پھر کہنے لگتی ہے) بُوا! میں قسم کھا کر کہتی ہوں

صرف تمہاری ڈھارس بندھانے سے میں زندہ بھی بیٹھی ہوں نہیں تو خدا ہی خوب جانتا ہے کہ میں تو اسی وقت مرچکی تھی جب وہ ناشدنی کشتی (چیخیں مار مار کر رونے لگی)

اس وقت اس کی بڑی بڑی غلاف دار آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے اس طرح اُبل رہے ہیں کہ بے اختیار شیشے سے دریا کا ٹپکنا یا موتیوں کی بڑی جوڑی میں سے آبِ نیساں کا برسنا کہہ دینا بیجا نہ ہوگا۔

گوہر بائی۔ (اپنی ذاتی مستقل مزاجی سے سنبھل کر) بھابی جان! اچھی بھابی جان! دیکھو۔ دل کو بہلاؤ۔ ہوش میں آؤ۔ یہ سمجھ لینا جہاں ہونٹوں کی اور کوٹھوں چڑھی ہیں دیکھتی ہوں ان بے تابیوں سے تم مجھے بھی کہیں کا نہیں رکھنے کی۔خدا کے واسطے میرے کہنے سے جہاں کل شام سے چُپ ہو اسی طرح چھ سات دن اور ٹھنڈے پیٹوں کاٹ دو۔ دیکھو تو سہی خدا کیا کرتا ہے۔ ہائے کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں بے فکر ہوگئی۔ بھابی جان! بے شک تمہارے خاوند تھے۔ تمہیں جو صدمہ ہوا وہ تھوڑا ہے۔ لیکن میرے بھی تو سگے بھائی تھے۔ ہائے میرے دل سے کوئی پوچھے دُنیا میں سب مل جاتے ہیں، ماں جایا نہیں ملتا۔"

ہاں جائیے کا لفظ زبان پر آنا تھا کہ صبر کا دامن اس کے ہاتھ سے بھی چھوٹ گیا اور یہ بھی اپنی غم زدہ بھاوج کا ساتھ دینے لگی۔

اس رقّت نے جب زیادہ طول کھینچا تو دوسرے کمرے سے مغلانیاں، ماماییں اور پیش خدمتیں رونے کی بے طرح آوازیں سن کر بھاگی آئیں کہ ہائیں یہ آج ہماری سرکار میں کیا کہرام مچا ہوا ہے۔

سعیدہ ۔ ہائیں ہائیں حضور! خیر صلاح تو ہے۔ یہ آج کیا ہے؟ ہے ہے میں تو ڈر گئی۔

یہ ایک قدیمی کنیز ہے جو ہندوستان سے ان بیویوں کے ساتھ آئی ہے۔ اس کے پیچھے اور دو تین حبشنیں ہیں جو جنبش دوڑی چلی آئیں۔ اس طوفان بے تمیزی کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر افشائے راز نے دونوں نند بھاوجوں کے آنسو خشک کر دیئے اور یہ دونوں کی دونوں جلدی جلدی اپنے اپنے آنچلوں سے آنسو پونچھ پانچھ سنبھل بیٹھیں۔

سعیدہ ۔ (اپنے پہلے سوال کا جواب نہ پا کر دوبارہ) بیگم! کچھ بتاؤ تو سہی خیر سے آج جی کیسا ہے آپ لوگوں کا؟

گوہر بانی صرف سعیدہ کو گوشہ چشم سے بیٹھ جانے کا اشارہ کر کے

باقیوں کو رخصت ہوجانے کو کہتی ہے اور جب یہ سب کی سب چلی جاتی ہیں تو پھر گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگتی ہے ۔

سعیدہ ۔ (میدان خالی پاکر) ہاں حضور! یہ دشمنوں کو آج کیا سوجھی تھی۔ میں تو گھبرا گئی ۔ آپ کی کمیز (قمیص) میں بخیہ کر رہی تھی کہ رونے کی آواز کان میں گئی ۔ پہلے تو میں نے جانا کہ کہیں اور پاس پڑوس میں کوئی رو رہا ہے لیکن جب دونوں صاحبوں کی آواز اچھی طرح میں نے پہچان لی تو مجھ سے بیٹھا نہ گیا اور میں بے تحاشہ بھاگی چلی آئی ۔ آخر ہوئی! اس کا سبب ؟ تو بہ جانے کب سے رو رہی تھیں ۔ نگوڑی آنکھیں بھی تو سوج گئیں ۔

گوہر بائی ۔ (ٹالنے کی غرض سے) نہیں سبب کیا ہوتا ۔ اللہ رکھے بھائی صاحب تو آج جم ہی جم گھر میں ہیں ۔ اکیلے بیٹھے بیٹھے یونہی جی گھبرانے لگا تھا ۔ میں نے ان بھابی صاحب سے وہاں گھر کی جو باتیں کرنی شروع کیں انھوں نے وہ سہیلیوں کے نوکر جھیڑے وہ گڑے مُردے اکھیڑے کہ مجھے بھی رُلا دیا اور آپ بھی خوب روئیں ۔

سعیدہ ۔ (جس کے دل کو یہ بات ذرا نہیں لگی تھی) تو کیا میاں صاحب کہیں باہر گئے ہوئے ہیں ؟

گوہر بائی - اوئی! اے تمھیں خبر نہیں اکبر آباد گئے ہیں وہ تو نوشاد بھی تو ساتھ ہی گیا ہے۔

سعیدہ - اے یہ کب؟ کل کوئی تین چار بجے دن کے تو آپ لوگ یہاں سے مچھلی کے شکار کو گئے تھے۔ کیا وہیں سے وہیں کہیں چلے گئے؟

گوہر بائی - ہاں اور کیا! بس وہاں سے آتے تھے جو راستہ میں ابّا جان کا تار ملا۔ گھر میں کوئی بہت ہی ضروری کام تھا۔ میں بہتیرا پوچھتی رہی۔ انھوں نے گھبراہٹ میں مجھ تک تو بتایا نہیں۔ بس سیدھے گاڑی میں سے اتر اسٹیشن چلے گئے۔ تمھیں یاد نہیں کیا۔ میں جب آئی ہوں تو میں نے کہا نہیں تھا کہ اے ہے جانیں بھائی صاحب کو ریل بھی ملی یا نہیں۔

سعیدہ - ہاں۔ ہاں۔ لیکن دیکھنا بیگم! آپ کے ابّا جان تو ہمارے میاں سے بہت ہی کچھ ناراض تھے۔ وہی آپ لوگوں کی بے پردگی پر۔ پھر یہ انھوں نے سات آٹھ برس بعد کل کیونکر انھیں بلا لیا؟

گوہر بائی - (ذرا گرم ہو کر) لو اور سنو بی۔ تم بات پوچھتی ہو۔ بات کی جڑ بات کا پتّا۔ ابّا جان کے خفا ہونے کی ایک ہی کہی۔ وہ ایک دفعہ کیا خفا ہو گئے تھے کہ بس اب عمر بھر خفا ہی رہتے۔ عقل مند بیوی!

کہیں ناخنوں سے گوشت بھی جدا ہوا کرتا ہے۔ رہی ہماری بے پردگی، تو یہ کوئی اکبر آباد تو ہے نہیں کہ گھر سے پردے لگیں۔ وہ کیا نہیں جانتے کہ یہاں بڑے بڑے کروڑ پتیوں کی بہو بیٹیاں اپنی اپنی گاڑیوں میں، گھوڑوں پر کشتیوں میں ہوا کھانے نکلتی ہیں۔ دوسرے دن رات تو ایک چار دیواری میں قید بیٹھی رہتی ہیں۔ اگر گھڑی دو گھڑی کو بھی شام کے وقت کہیں نہ جائیں آئیں تو جیتے جی مر ہی نہ جائیں۔ خیر تمہیں ان جھگڑوں سے کیا کام۔ تمہیں جس لیے میں نے بلایا ہے وہ تو سن لو۔ ابھی سینے پرونے کو تو اب تہہ کر رکھو۔ اور وہاں سے اپنا اختر اختر اٹھا کر ان کے بھابی جان کے پاس آ بیٹھو۔ مجھے آج کل بھائی صاحب کی طرف سے دو ایک سیٹھوں اور کچھ انگریزوں کی دعوتیں کرنی ہیں۔ اکثر گھڑی گھڑی جانا پڑے گا۔ لیلا دجلشن بھی میرے ساتھ ہی جایا کرے گی۔ بس تم انھیں لحظہ بھر کو بھی اکیلا نہ چھوڑنا نہیں یہ گھبرا جائیں گی۔ اچھا۔

سعیدہ۔ بہت اچھا۔ بوی بیگم! بھلا مجھے کیا اوذر دعذر رہے، شاید میاں صاحب ابھی کچھ دن وہیں رہیں گے، ایسا معلوم ہوتا ہے؟

گوہر بائی۔ (انھیں خشمگیں تیوروں سے) پھر وہی۔ حد ہے کیا جانتی ہو کہ برسوں کے بعد تو وہ اللہ رکھے گھر بسد ھائے ہیں۔ اب مہینہ پندرہ دن آخر

وہاں لگیں گے۔ اوّل تو ابّا جان ہی انھیں نہ دیں گے دوسرے خدا نہ کرے

ان کے یار دوست، رشتہ دار، کنبے دار کیا کم ہیں اسی سے کہتی ہوں

کہ شاید انھیں دیر ہو جائے۔

سعیدہ۔ جی ہاں وہی تو۔ بے شک میں بھول گئی تھی۔ کم بخت جانتی بوجھتی بھی

ایسی بے ہودہ باتیں کہہ بیٹھتی ہوں کہ توبہ ہی ہے۔ اچھا تو اب میں اپنا

سینا پرونا سب یہیں لے آؤں؟

گوہر بائی۔ ہاں۔ اور ایک بات سنتی جاؤ۔ باورچیوں کو، ماماؤں کو، نچلے درجہ

کے نوکر چاکروں اور سب سے نچلے درجہ کے پہرہ والوں کو کہلا بھیجو کہ

جہاں شام ہو، ہمارے حکم کے سوا اور کسی کے واسطے دروازہ نہ

کھولیں۔ خزانہ کا صندوق بیچ کے درجہ میں سے اٹھوا کر یہاں اوپر

منگوا لو۔ ایک ایک چیز بست یہاں تک کہ تنکا تنکا تک جو جس کے

تحت میں ہے حفاظت سے رکھے جب تک بھائی صاحب نہیں آتے

میں سب کی نگران رہوں گی۔ میرے مزاج کو تم اچھی طرح جانتی ہی ہو۔

اچھی طرح سب کو سمجھاؤ کہ سب خبردار ہو جائیں۔

(کمرہ کا دروازہ کھلا اور لیلیٰ اندر آ گئی)

گوہر بائی۔ (اس سے مخاطب ہو کر) کہو کیا جواب لائیں اس رقعہ کا؟

لیلیٰ - جواب (جواب) تو نہیں دیا کچھ - پر شیٹھ (سیٹھ) آپ آیا ہے -

گوہر بائی - اچھا - دوسرے کمرے میں بٹھاؤ -

لیلیٰ پھر واپس ہو جاتی ہے اور جمسا بھائی بھیم جی کو کرسی دے کر پھر اطلاع دینے چلی آتی ہے -

جمسا جی - (برابر والے کمرہ میں سے باآواز بلند) شلام (سلام) شیٹھانی شلام (سلام)

گوہر بائی - سلام سیٹھ جی! میں نے آپ کو ایک کام کے واسطے تکلیف دی ہے -

جمسا جی - بولو شاب (صاحب) بولو جو ہُکم (حکم) -

گوہر بائی - یہ تو شاید آپ کو نہ معلوم ہو گا کہ بھائی صاحب کل کے سورت بندر گئے ہوئے ہیں - وہاں سے تو تناؤ آیا ہے انھوں نے دفتر کی کنجیاں منگائی ہیں - آپ ذرا دے دیجئے -

جمسا جی - (حیران ہو کر) کُونجی (کنجی) کیشا (کیسا) ؟

گوہر بائی - ہے ہے! کنجی تم نہیں سمجھتے؟ تالیاں سہی تالیاں -

جمسا جی - کو نجی یاں تالیاں! بڑا گول مال ہے - ام (ہم) نہیں شمجھا (سمجھا) شاب (صاحب) - اگر وہ کوفل (قفل) کھولنے والی مانگتا ہے تو

(جیب سے نکال کر ایک گچھا پھینک دیتا ہے) یہ موزود (موجود) ہے۔

گوہر بائی - ہاں - یہی ہیں یہی - اس ہی بکسوں کی بھی ہیں نا؟

جمسا جی - (کسی قدر ٹھہر کر) ہو ہو شب (ہاں ہاں سب)۔

گوہر بائی - (پان اور سگریٹ کا بکس لیلیٰ کے ہاتھ بھیج کر) تو اب آپ جاکر ذرا منیم جی (منیب) کو بھی میرے پاس بھیج دیجئے اور دو تین دن کے واسطے دکان بند کردیجئے - آپ کو بھی چھٹی اور سب لوگوں کو بھی -

جمسا جی - ایشا (ایسا) بات؟ فر (پھر) دکان کا برا (بڑا) نکسان (نقصان) ہوگا - کیا شیٹھ (سیٹھ) بولا ہے (کہا ہے) ایشا (ایسا)؟

گوہر بائی - ہاں انھوں نے ہی کہلا بھیجا ہے کہ مجھے یہاں ایک ضروری کام ہو گیا ہے جب تک میں نہ آؤں حساب کتاب لین دین سب بند ہے۔

جمسا جی - آچا (اچھا) تو اس کا مرجی (مرضی) بس شلام (سلام) اب جائے ام (ہم)؟

گوہر بائی - سگریٹ تو پیجئے - بیٹھئے پان تو کھائیے۔

اتنے میں لیلیٰ سگریٹ کی پرچ دے کر الگ کھڑی ہو جاتی ہے۔

سیٹھ جی سگریٹ سلگانے لگتے ہیں اور دھواں بل کھا کھا کر ان کی چھجے دار پگڑی تک کی خبر لانے لگتا ہے۔

لیلیٰ۔ (تمسخراً) شیٹھ تم حکہ کھوب پیتا ہے (حقہ خوب پیتا ہے)۔

گوہر بائی۔ (مسکراتے ہوئے تاؤ دیتا) ہا ہیں ہائیں تجھے کیا؟ خوب پیتے ہیں

بابے خوب چل اُدھر سے۔

جمساجی۔ (اپنی توند پر ہاتھ پھیر کر) ام پہلے تو ایسا بوت نہیں پیتا تھا

لیکن پچھلے برس ام بوت بیک ہو گیا تھا ڈاکٹر لوگ بولا تم حکا پیو بس

تب سے پیتا ہے (ہم پہلے تو ایسا بہت نہیں پیتا تھا لیکن پچھلے

برس ہم بہت بیمار ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر لوگ بولا تم حقّہ پیو۔ بس تب

سے پیتا ہے)۔

ایسی ہی دو ایک باتیں ہو ہوا کہ سیٹھ جی ادھر اُدھر بھانپتے ہوئے

اُٹھ کھڑے ہوئے اور زینہ در زینہ ہوتے اپنے گھر یا دکان چمپت بنتے

ہیں اور ادھر لیلیٰ کرسی ایک کنارے رکھ کر سگریٹ کی نلکی لیے ہوئے

کمرہ کے کواڑ بھیڑ اندر چلی آتی ہے۔

۳

۱۵ اسپر گھی

پاؤں دھونی (ایک بازار کا نام) سے ایک ٹرامبے کچھ سواریاں مختلف بازاروں میں لیے جاتی ہے۔ دو مضبوط یک رنگ گھوڑے اسے بہت تیزی سے کھینچ رہے ہیں۔ گاڑی کی صورت بالکل ریلوے کے تیسرے درجہ کی سی ہے۔ جس طرح ریل لوہے کی پٹڑی پر چلتی ہے اسی طرح یہ بھی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ بہت بڑی ہوتی ہے اور آگ پانی سے چلتی ہے اور یہ چھوٹی صرف گھوڑوں[1] کی طاقت سے چلائی جاتی ہے، ڈرائیور (چلانے والا) گارڈ (محافظ) اس میں بھی ہوتے ہیں وہ بھی جگہ جگہ اسٹیشنوں پر ٹھہرتی ہے۔ یہ بھی اپنی

---

[1] اب ٹراموے بجلی سے چلتی ہے۔

بساط کے موافق گلی گلی کوچہ کوچہ اپنی چوکیوں پر ٹھہرتی جاتی ہے۔ ہندوستان کے اور شہروں میں تو نہیں لیکن بمبئی، کلکتہ، لاہور برابر اس کی جولان گاہیں ہیں۔ اس وقت جو پاؤں ہونی کی چوکی پر یہ آئی اور پھر وہاں سے روانہ ہوئی تو نئے نئے مسافروں نے اسے گھیر لیا۔ یا تو خالی تھی یا سب بھر گئی۔ ٹکٹ کلکٹر جیسے ٹکٹ بیچنے اور ٹکٹ دیکھنے غرض دونوں باتوں کا اختیار ہے وہ ایک سیاہ چمڑے کا تھیلا گلے میں ڈالے ٹکٹ پر نشان ڈالنے والا لوہے کا ایک اوزار ہاتھ میں لیے اس کے کمروں میں پھرنے لگا۔ پہلے تو سرے سے سب مسافروں کے ٹکٹ دیکھے۔ پھر جن کے پاس ٹکٹ نہیں تھا اور نئے اسی چوکی سے بیٹھے تھے، ان کو دام لے کر ٹکٹ دیدیئے۔ پھر سیٹی بجاتا ہوا ڈرائیور کے پاس سب سے آگے جا کھڑا ہو گیا۔

اس وقت سب سے اخیر کی سیٹ پر تین آدمی بالکل انوکھے فیشن میں ہیں، بار بار انھیں کی طرف ہماری نگاہیں بھی جا رہی ہیں۔ ایک تو ان میں سے بہت ہی زیادہ بکنے والا ہے۔ بات بات میں جوڑ توڑ اور دوسرا بالکل ایک سادہ لوح بمبئی کے ایک سیٹھ کا نوجوان صاحبزادہ ہے تیسرا ایک خوب صورت لڑکا بلا کا حسین۔ بمبئی کے کام کی بہت تحفہ گول ٹوپی سر پر، پھنسی ہوئی شیروانی گلے میں، پتلون پہنے، ولایتی ہاف بوٹ چڑھائے،

پتلی سی چھڑی ہاتھ میں لیے، ریشمی رومال گھڑی کی جیب میں سے کسی قدر باہر نکلا ہوا، گلاب کی پتی کو شرمانے والے گال، دمکتا چہرہ، سر سے پیر تک موزوں و متین۔ لیکن خدا جانے اس اٹھتی جوانی، ابھرنے جوبن کے زمانے میں اسے کیا فکر ہے کہ یہ اس وقت بھی اپنے پیارے پیارے نرم نرم ہونٹ دانتوں کے نیچے دبائے کسی گہرے خیال میں ڈوبا ہوا چلا جاتا ہے۔ باوجودیکہ اس کے برابر والے آپس میں خوش گپیاں اڑا رہے ہیں، قہقہے لگا رہے ہیں لیکن اسے ذرا بھی خبر نہیں کہ وہ کس معاملے میں گفتگو کر رہے ہیں اور کیوں اتنی ہنسی اڑا رہے ہیں۔

ایکا ایکی ایک موڑ پر پہنچ کر گاڑی نے جو غیر معمولی سی حرکت کی اور تمام بیٹھنے والے ہل گئے تو یہ نو عمر خوش رو بھی دفعتاً چونک پڑا۔ اس وقت اس کے ہم نشینوں کی زبان پر یہ لفظ تھے جو خواہ مخواہ اسے بھی اپنی طرف متوجہ کر گئے۔

چالاک آدمی۔ (اپنے مخاطب کے جواب میں) ہاں جناب ہاں پندرہ سیر گھی۔

سادہ لوح۔ کیشا (کیسا) بولتا ہے بائی (بھائی)، آدمی اور پاندرہ شیر (پندرہ سیر) گھی پی جائے گا۔ اور فرجندہ (پھر زندہ) بھی رہے گا؟

چالاک آدمی۔ دو گھنٹے تک تو بے شک اسے کچھ بے چینی ضرور معلوم ہو گی
پھر کچھ نہیں۔ وہ دوا سب بھسم کر دے گی۔

سادہ لوح۔ (گردن جھکا کر) کیا بولے سیٹھ ام تو کچھ کہہ ہی نہیں سکتا۔ فکیر
(فقیر) کا بات ہے۔

یہ فقرے ایسے ویسے تو تھے ہی نہیں جو کسی دقیقہ رس، قیافہ
شناس آدمی کو تذبذب میں نہ ڈال دیں اور وہ فوراً آمادۂ جوئی کا بیڑا
نہ اُٹھا لے۔ چنانچہ ان فقروں کے ختم ہوتے ہی ہمارا نوخیز، تیز
طبیعت حسین لڑکا ادھر ہی پلٹ پڑا اور پلٹتے ہی اس مفتری فتنہ پرداز
آدمی سے یوں سوال کرنے شروع کر دیئے۔

نوعمر۔ کیوں صاحب! پندرہ سیر گھی ایک آدمی پی جاتا ہے اور اسے
ذرا گرانی نہیں معلوم ہوتی۔ کیا خوب!

چالاک آدمی۔ (اس اُٹھتی کونپل کو سر سے پیر تک غور سے دیکھ کر) جی
ہاں! بے شک۔ آپ کو بڑا تعجب ہوا؟

نوعمر۔ تعجب کی بات ہی ہے۔ آخر وہ گھی پلایا ہی کیوں جاتا ہے؟ اور
پینا بھی ناممکن ہے۔

اس سوال پر قریب تھا کہ وہ سادہ لوح سیٹھ بول اُٹھے اور

سارا کچا چٹھا کہہ سُنائے جو معاً اس مفتری چلتے پرزے نے اس کے چہرے سے بھانپ لیا اور آنکھ کا اشارہ کر کے خود تاڈیا گئے لگا۔

چالاک آدمی ۔ جناب! آپ کو اس معاملے میں تشریح کی اجازت نہیں ہے ۔ میں نے صرف آپ سے اپنا بھید کہہ دیا ہے یا تمام دنیا میں پھونک دینا چاہا ہے ۔ بس آپ خاموش رہیں ۔ اس پردہ کا ڈھکا ہی رہنا اچھا ہے ۔

راوی ۔ اس کمسن صاحبزادہ اور اس حرفوں کے بنے ہوئے آدمی کی زباں قریب قریب ایک ہی طبقہ کی ہے ۔ کیونکہ دونوں بہت صاف بول رہے ہیں بہ نسبت اس بمبئی والے سیٹھ کے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ اول اللہ کہ دونوں یہاں کے رہنے والے نہیں ۔

نوعمر ۔ (ذرا تامل کے بعد اس چالاک آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے) کیا ڈر ہے جناب! انھیں کہنے دیجئے ۔ آخر ہم سُن لیں گے تو کونسا ہرج ہو جائے گا؟ آپ تو بہت ہی پردہ داری کا کام فرما رہے ہیں اس وقت ۔

چالاک آدمی ۔ (مسکرا کر) جی ہرج تو کچھ نہیں ہو جائے گا لیکن آپ ہی ان سے سُن کر کیا نہال ہو جائیں گے؟ بھلا وہ آپ کے کس مصرف

کی باتیں ہیں؟

نوعمر۔ اللہ اللہ! یہ خست ہے مزاج میں۔ ممکن ہے کہ وہ باتیں ہیرے بہت کچھ مصرف کی ہوں۔

یہ کہہ کر اس نے اپنی چھنگلیا کو بات کرتے میں لالچی آدمی کی طرف کر دیا اور اس زر مرید کی نگاہیں اس بیش قیمت ہیرے پر جا پڑیں جو طلائی انگشتری میں جھلمل جھلمل کر رہا تھا۔

چالاک آدمی۔ (جواب میں بہت ہی بے چینی سے) نہیں جناب! خست کا کیا ذکر ہے یہاں۔ لیکن وہ معاملہ ہی کچھ ایسا نازک ہے کہ ہر کس و ناکس کے گوش گزار کرتے ہوئے ذرا جی ڈرتا ہے۔ کیونکہ "آدمی آدمی انتر کوئی ہیرا کوئی کنکر"۔ آپ ماشاء اللہ ظاہراً تو بہت ہی سنجیدہ اور ہوشمند معلوم ہوتے ہیں بلکہ یہ بھی یقین کامل ہے کہ آپ سے اگر کوئی بات کہہ ہی دی جائے تو آپ اسے گرہ میں باندھ لیں لیکن پھر بھی احتیاط اور مرشد کا حکم مجھے اظہار سے روکتا ہے۔ ضروری ہے کہ ایسی مجبوری پر آپ مجھے معاف رکھیں گے۔

نوعمر۔ بہت خوب صاحب! آپ کی مرضی۔ ہم تو گویا کنکروں میں شمار ہوئے بمقابلہ ان سیٹھ صاحب کے۔ ورنہ ہمیں بھی مرشد صاحب کا حکم مانع

نہ ہوتا۔

چالاک آدمی۔ اجی یہ بات نہیں۔ کنکھ کیوں ہونے لگے تھے۔ آپ تو سو لعلوں کے لعل ہیں۔ خدا نظرِ بد سے بچائے۔ جہاں تک میرا خیال ہے اس وقت تمام شہر میں نہ سہی تو اس گاڑی میں تو آپ اپنا جواب نہیں رکھتے۔ رہا اس معمّا کا بیان۔ وہ انشاء اللہ آپ ملتے رہیں گے تو کبھی نہ کبھی میں مفصلاً عرض کر دوں گا۔ صرفِ تل اوجھل پہاڑ ہے۔ ورنہ کچھ ایسی تعجب والی بات نہیں۔

نو عمر۔ بہت بہتر۔ دیدہ باید

مقسوم اپنا اپنا نقدیر اپنی اپنی

چالاک آدمی۔ (جس کی نگاہیں بار بار کبھی ہیرے کے پر اور کبھی اس نو خیز طرار امیر زادے کے چہرہ پر گھبرا گھبرا کر پڑ رہی تھیں) سبحان اللہ! آپ تو بہت ہی خوش مزاج اور حاضر جواب آدمی نکلے، آپ کا دولت خانہ؟ کیونکہ یہاں کے تو آپ رہنے والے معلوم نہیں ہوتے۔

نو عمر۔ جی نہیں۔ ہوں تو میں یہیں کا رہنے والا۔

چالاک آدمی۔ کیا کہا آپ نے؟ کیا آپ بمبئی ہی کے باشندے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اللہ اکبر! ارے بھئے۔ ابھی تو آپ مجھ سے میری نہ کی

باتیں پوچھنے کے درپے تھے اور ابھی آپ مجھ ہی سے اپنا وطن بھی چھپانے لگے۔ کیا خوب۔ جب آپ ہی ہم سے پردہ رکھتے ہیں تو ہمیں ایسی کیا غرض کہ ہم اپنے گھر، روپیہ کی بات آپ کو رستہ چلتے بتا دیں۔

نوعمر۔ یہ آپ کو اختیار ہے بتائیے یا نہ بتائیے۔ لیکن افسوس تو اس بات کا ہے کہ آپ نے پہلی ہی ملاقات میں مجھے جھوٹا سمجھ لیا۔ اور طرّہ یہ اس حالت میں جب کہ میں بالکل صحیح صحیح کہہ رہا ہوں۔ صاحب! اگر آپ میری زبان اور بات چیت کے لحاظ سے یہاں کا نہ سمجھیں، تو تو کسی قدر یہ خیال آپ کا صحیح بھی ہے کیونکہ میں بچپنے ہی میں اپنی حقیقی ماں سے جدا کیا گیا تھا اور اس کے بعد ایک ہندوستانی لکھی پڑھی عورت نے میری اتالیقی کی ہے اور اگر لباس کی قطع وضع یا کسی اور وجہ سے آپ کہتے ہوں تو وہ بالکل غلط ہے لیکن دونوں صورتوں میں ہوں میں دراصل یہیں کا رہنے والا۔

چالاک آدمی۔ (بڑے زور سے قہقہہ لگا کر جس سے گاڑی کے تمام بیٹھنے والے اسے دیکھنے لگے تھے) تسلیم! جناب عالی تسلیم! بھلا ہمارا قیاس اور غلط ہو جائے۔ توبہ توبہ قسم ہے مرشد کی دیکھتے ہی تاڑ لیا تھا کہ ضرور

آپ ہندوستانی ہیں۔

نوعمر۔ کیا کہنے آپ کے قیاس کے۔ سبحان اللہ! لیکن سُنیئے تو سہی یہ تو میں قیامت تک بھی نہیں ماننے کا کہ میں ایک ہندوستانی کھدوڑھ یا ہندوستانی تعلیم کی تاثیر سے بالکل ہندوستانی ہو جاؤں۔

سادہ لوح۔ (نوعمر سے) دیکھو شاب (صاحب) ایک طرح یا دو طرح پر ہمارے دوشت (دوست) بابو لعل جی نے آپ کو کھوب (خوب) پرکھا۔

بابو لعل۔ (اپنی تعریف پر منکسرانہ گردن ہلا کر) جی نہیں۔ یہ صرف آپ کی عنایت ہے۔ بھلا میں کسی کو کیا پہچانوں گا؟ ایک دیہاتی آدمی ٹھہرا۔ مگر تماشہ تو دیکھئے وہ بھائی صاحب ابھی تک اسی طرح اپنے آپ کو چھپائے جاتے ہیں۔ (ہنسنے لگتا ہے)

نوعمر۔ (نزبھر ہو کر) بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ بے وقوفوں کی طرح سے خواہ مخواہ ہنستے ہیں۔ صریحاً اپنی غلطی ہے اور نہیں مانتے۔ اُلٹا ہم پر تمسخر۔ واہ یہ جھٹلانا بھی کیا خوب۔ کہتا جاتا ہوں کہ میں بمبئی کا رہنے والا ہوں۔ بمبئی کا باشندہ ہوں۔ میرا گھر بار، ماں، باپ، چچا رشتے کنبے والے سب بمبئی میں مگر آپ ایک نہیں سُنتے۔ اپنی ہی

ڈیڑھ اینٹ کی الگ چنے جاتے ہیں۔ بھلا مجھے چھپانے سے حاصل؟

بابولعل۔ (اسے اپنے سے اکھڑتا ہوا دیکھ کر آئندہ ملاقات کی تمنا میں) جی توبہ توبہ۔ بھلا آپ پر کون ہنس سکتا ہے؟ کیا تعجب ہے۔ ممکن ہے کہ آپ یہیں ہی کے ہوں۔ خفا نہ ہو جئے۔ مہربان! میں نے تو یونہی مذاق سے کہا تھا۔ یہاں آپ کا کہاں مکان ہے جناب؟

نوعمر۔ والکیسر (ایک پہاڑی محلہ)

بابولعل۔ آپ کا نام؟

نوعمر۔ روپ چندر۔

بابولعل۔ کیا آپ ہندو ہیں؟

نوعمر۔ جی ہاں۔ میں کشمیری پنڈت ہوں۔

بابولعل۔ کیا کام کرتے ہیں آپ؟ کیا تجارت کسی قسم کی؟

نوعمر۔ جی ہاں۔ میرے والد کپڑے کے ٹھیکدار ہیں۔ (بات ٹالنے کی غرض سے) خیر جناب! یہ سب تو ہوتا ہی رہے گا اور میں یہاں تھوڑی دیر میں اتر جاؤں گا۔ اب تو مہربانی کر کے یہ بتا دیجئے کہ وہ پندرہ سیر گھی والا معما کیا تھا؟

بابولعل۔ (بناوٹ سے چیں بر جبیں ہو کر) آپ تو پیچھے ہی پڑ گئے جناب!

وہ ایک دوا ہے ایک فقیر صاحب کی جو اسے پھانکے وہ فوراً
پندرہ سیر گھی منگا کر پی لے نہیں تو مارے گرمی کے پنڈا پھوٹ
پھوٹ کر مر جائے۔ بس اور کیا دھرا ہے اس میں۔

نوعمر۔ ہاں ہاں۔ بجا۔ درست۔ مگر خفا نہ ہوجیے۔

نوجوان کچھ اور جرح کرنی چاہتا تھا جو ٹرام رُک گئی۔ اور لاچار
اسے بغیر مزید تحقیقات کئے اپنے کسی مقررہ کام کے لیے گاڑی سے
اُتر کر چلا جانا پڑا۔

۴

ترکی قونصل

صبح صادق ہے، سردی کا موسم گو یہاں ہمیشہ معتدل ہے پھر بھی نازک بدن لوگوں کے ہاتھ رضائی سے باہر نہیں نکلتے۔ خود ایسے وقت میں نکل آنا کیسا؟ لیکن نہیں۔ اکثر ضرورت مند جفاکش ہمت والے سورج نکلنے کا نہ انتظار کر کے کبھی کے اپنے اپنے مقاصد حاصل کرنے میں سرگرم ہیں! پالو بندر سے ایک جنٹلمین وضع نوجوان خدا جانے کیا چیز دیکھتا ہوا ابھی ابھی کشتی کی سواری سے ماہی ڈول[1] آ گیا ہے۔ انگلش فیشن، چست سوٹ اسے اور بھی خوش وضع کئے ہوئے ہے۔ دوہرے یا اکہرے بدن کے چھپانے کے لیے

[1] کھاڑی کے کنارے ایک مقام۔

اوورکوٹ نے بھی مدد دی ہے۔ سر پر سبز بلینے (مرینو) کا صافہ جس کا آخری پیچ اس خوب صورتی سے لیا گیا ہے کہ چاند سی صورت پر زمرد کی محراب کا سایہ بن کر اسے لاکھ لاکھ بناؤ دے رہا ہے۔ صافہ میں سے زریں کلاہ کی چھبن، اوورکوٹ کے بٹن کھلے ہوئے ہیں اور اس وجہ سے وہ کھل کر کمر کے نیچے دو خوب صورت سرے بن کے لٹک رہا ہے۔ روسی چمڑے کے بہت ہی قیمتی ہاف بوٹ۔ کے چرآنے کی آواز ہر قدم پر محسوس ہو رہی ہے اور یہ نوجوان کسی نرالے خوض میں ڈوبا ہوا، ہاتھ میں خوش نما بید ہلاتا، اب وہاں تک آپہنچا ہے جہاں شام کے وقت کبھی کبھی فٹ بال بھی کھیلا جاتا ہے۔ صبح ہی صبح جس طرح سورج کی خوش نما کرنیں اپنا رنگ جما رہی ہیں بالکل اسی طرح اس کے پیارے پیارے چہرے کی نورانی شعاعیں بھی دائیں بائیں اپنا اثر ڈالتی چلی جاتی ہیں۔

نوجوان عجیب نوکیلا نوجوان ہے۔ گو عمر اس کی تقریباً ۱۶-۱۷ سال کی ہوگی۔ لیکن قدرت نے پھول سے زیادہ نرم اور رنگین گالوں پر سبزے کی نمودیں ابھی تک نہیں دکھائی ہیں۔ دیکھیں تو سہی یہ آج ایسے سویرے سویرے کہاں آیا ہے اور کون ہے؟

نوجوان۔ (آپ ہی آپ آہستہ آہستہ) یا اللہ! کہاں تک حیران

پریشان پھر دل - آخر ڈھونڈنے بھاگنے کی کوئی حد بھی ہے - آج پورے دس دن ہوئے کہ میں نے پیٹ بھر کے کھانا، اپنی نیند سونا، اپنی سیر، اپنی تفریح، اپنی دستکاری سب کچھ سب تج دیئے۔ لیکن کسی طرح دل کو چین نہ آنا تھا نہ آیا، میرا مطلب کسی طرح حل نہیں ہوتا - اب تو میرے حواس ٹھکانے نہیں - میرا صبر، میرا استقلال ہاتھ سے جاتا دکھائی دیتا ہے۔ بھابی جان بیچاری سے کل آٹھ دن کا وعدہ کیا تھا جس کے آج پورے دس دن ہونے کو آئے اور آج تک کچھ پتہ نہ چلا - وہ ہیں کہ پیٹ پیٹ کر نیلی ہوئی جاتی ہیں - اب کروں تو کیا کروں؟ اسی کھاڑی میں ڈوب مروں؟ اُف! خودکشی بھی گناہ ہے - پھر کیا کروں؟ کہیں نکل جاؤں؟ ہائے یہ بڑا ظلم ہوگا، میری عصمت پر، میری شرافت پر، میرے پیارے بھائی (آنسو نکل آئے) کی عزت پر، میری بھاوج کے اُداس دل پر - دنیا کیا میرے جنم میں تھوکے گی - اپنے شہر والوں، رشتے کنبے والوں کی زبانیں کون پکڑے گا؟ کسی کو اس بجوگ کی کیا خبر ہے - سب یہ کہیں گے کہ دیکھا بے پردگی اور لکھنے پڑھنے کا یہ اثر ہوا کہ بی گوہر کسی سے آنکھ لگا بھاگ گئیں - ہائے بھاگ جانا بھی ناممکن ہے - پھر کیا کیجئے؟ ؎

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

بھلا میری روح ان طعنے تشنوں (طعن و تشنیع) کو برداشت کر سکے گی؟ ہرگز نہیں۔ بس تو پھر قبر میں بھی آرام نہ ملا۔ ہائے اللہ! کہاں جاؤں؟ کیا کروں؟ قیامت تو یہ ہے کہ اگر میں بی بھابی جان کی طرح یہ یقین کر کے بالکل مایوس ہو جاؤں کہ خدانخواستہ دُور پار چھائیں پھوئیں بہن بندی[1] اسی دن ڈوب مری ہے تو میرا یہ چھ یا سات دن کا ایک سان تجربہ نہیں یقین کرنے دیتا۔ میں کہتا ہوں یہ کیا بلا ہے کہ جب کبھی دن کو ادھر جا کر دیکھا ہے تو کہیں نشان بھی نہیں ہوتا اور جہاں شام ہوئی اور وہی لالٹینوں والے تار کے نیچے کنارہ سے کوئی میل بھر کے فاصلے پر لوہے یا جست کا ایک خول سا تیرنے لگا۔ بلکہ اوپر کے تار میں سے ایک پتلی سی نلکی بھی وہیں خول کے پاس ہی پانی میں ڈوبی ہوئی دکھائی دیا کرتی ہے یہ ہے تو کیا طلسم ہے؟ چاہے کچھ بھی ہو، ہزار بسوہ تو اس میں کوئی فی ضرور ہے۔ فی کیسی؟ اچھا خاصا دھوکا، پورا فریب ہے جی۔ لیکن ابھی مجھے

۱؎ شرفا زادیاں ایسے موقعوں پر اپنے اعزا کا اشارہ کرتے ہوئے اسی طرح خطاب کرتی ہیں۔

اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا چاہیے جب تک کہ میں اپنے خیال کی پوری تصدیق
نہ کر لوں۔ خیر آج صبح ہی صبح میں پھرتی ہوئی چاروں طرف اسی لیے آئی ہوں
کہ اس وقت اس مقام کو خوب اچھی طرح دیکھوں کیونکہ روز کی بہ نسبت آج
ذرا اندھیرا بھی ہے۔ کم بخت خلقت جب چلنے لگتی ہے تو خواہ مخواہ شرم
آتی ہے کہ کوئی اپنے دل میں کہے گا کہ یہ شخص کتنا پاگل ہے۔ نہ جانے کھاڑی
کو ادھر اُدھر سے کیوں ناپتا پھرا کرتا ہے؟ بلا سے آج اور دیکھتی ہوں
اور آج کیا، ہمت تو یہ کہتی ہے کہ جب تک دم میں دم ہے اس تلاش
اور تجسّس سے قدم نہ ہٹا۔ بہ جہنّم دو ہی باتیں ہیں یا اس جہان میں میں کسی
نہ کسی دن تیری جان بھی کسی دریائی قاتل کی نذر ہو گئی یا تُو نے ہی اپنی
کوششوں، اپنی جاں فشانیوں کے صلے میں اپنے پیارے بھائی کو اس
سمندری جیل سے چھڑا لیا۔"

ناظرین! اب تو آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ کون نوجوان ہے۔
یہ وہی شیر دل گوہر بائی ایک ہندوستانی عورت ہے جو سمندری مہم
سر کرنے کی فکر میں رات دن مردانہ بھیس میں اس تن دہی سے سرگرم ہے
اُس دن ٹرمیوے میں بھی شیروانی پہنے ہوئے روپ چندر نامی یہی لڑکا تھا
اور آج انگریزی لباس میں بھی یہی جنٹلمین ہے۔ دل سے باتیں کرتی ہوئی،

ٹہلتے ٹہلتے یہ اب ٹھیک اس مقام پر پہنچ گئی ہے جہاں سے اس دن کسی چیز کے پانی میں گرنے کی آواز آئی تھی اور پھر وہ مچھر دکھائی دیا تھا۔

یہاں آکر اس نے دیکھا کہ سمندر کا کنارہ جو پہاڑی سے بہت ہی قریب ہے آپ ہی آپ کچھ دہ سا گیا ہے۔ برف کے تھکھلے کے تھکھلے جمے ہوئے ہیں جو کنارہ کی ان دراڑوں کو چھپائے ہوئے ہیں جو پانی کی نمی سے اکثر ساحلوں پر پڑ جایا کرتی ہیں۔

ہمارا نوجوان یہاں پہنچ کر ذرا کی ذرا اٹھٹکا، پیچھے مڑ کر دیکھا تو آبادی دور رہ گئی تھی آگے دیکھا تو راستہ کسی قدر مخدوش پایا۔ لالٹینوں والے تار پر نظر دوڑائی تو اسے بھی دور تر دیکھا۔ وہاں سے نگاہیں مایوس پھریں تو اسی کنارہ پر آنکھیں جمیں جو بقول ایشیائی شاعروں کے عاشق کے جگر کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔ اسی جگہ کچھ تازہ مٹی بھی جس طرح کوئی چھوپ دیتا ہے دکھائی دی خوب غور کیا تو کوئی ملگجی سی چیز بھی آدھی پانی میں ڈوبی ہوئی آدھی اس میں دبی ہوئی نظر پڑی۔

مزاج میں تحقیق تو بہت ہی بڑھی ہوئی تھی۔ بھلا اب اسے کہاں چین پڑتا تھا۔ معاً اپنا شبہ رفع کرنے کے لیے ڈرتے ڈرتے بید کی نوک سے اس چھوپی ہوئی مٹی کو اٹھانا شروع کیا۔ اوّل تو نازک ہاتھ۔ دوسرے سردی

کا وقت۔ تیسرے جس چیز پر چھڑی کو لگایا جا رہا تھا وہ پتھر سے زیادہ سخت، اثر ہو تو کیا ہو۔ چھڑی کی نوک وہاں سے کسی طرح آگے نہ بڑھی آخری دفعہ کی جدّوجہد سے اس نے یہ سمجھ لیا کہ حقیقت میں یہ کوئی لوہے یا پتھر کا ستون ہے جس کا صرف سِرا ہی باہر مٹی میں دبا ہوا ہے۔ باقی سب پانی میں ہے۔

تھوڑی دیر فکر کرنے کے بعد پھر دل نہ مانا اور اس نے پھر چھڑی سے اِدھر اُدھر کی مٹی کریدنی شروع کی۔ اب جو دیکھتی ہے تو مگر کا سا خاردار سیاہ جسم دکھائی دینے لگا۔ یہ ڈر کر دُور ہٹ گئی اور برابر اس سے ٹکٹکی باندھے رہی۔ لیکن اس جسم نے بالکل حرکت نہ کی۔ جتنا کھلا تھا اتنا ہی کھلا رہا۔ جتنا مٹی میں دبا ہوا تھا اتنا ہی دبا رہا۔

اس کا شک، اس کی قوت دریافت کب کم ہوتی تھی۔ یہ پھر جلدی سے اِدھر اُدھر کچھ ڈھونڈنے لگی اور تھوڑی دُور جا کر ایک بڑا سا پتھر اُٹھا لائی۔ کنارہ پر ہولے ہولے قدموں سے پہنچی اور ڈرتے ڈرتے زور سے اس جسم کے منہ پر مار کر چاہتی تھی کہ ٹھہرے جو آواز تو عین میں ایسی آئی جیسے لوہے پر پتھر مارنے سے لیکن آواز کے ساتھ ہی اس بے جان چیز نے منہ پھیلا دیا اور اس کی طرف جھپٹتا ہوا معلوم ہوا۔ یہ اُلٹے ہی پاؤں

وہاں سے بے تحاشا بھاگی۔ اب جتنا جتنا یہ مڑ مڑ کے دیکھتی جاتی ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ موذی اس کے پیچھے ہی کنارہ کنارہ بھاگتا چلا آتا ہے۔

بہت دُور پہنچ کر اس نے ذرا دم لیا اور پھر پلٹ کر دیکھا تو وہ نرا خیال ہی خیال تھا۔ مگر اپنی جگہ سے تھوڑی دُور چل کر پانی میں پھر گر پڑا تھا۔ یہ دیکھ کر ذرا دل ٹھہرا۔ ہوش ٹھکانے ہوئے اور یہ بے قرار کلیجہ کو دونوں ہاتھوں سے دبا کر ایک پتھر پر کھاڑی کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئی اور لگی یوں سوچنے۔

تو یک نہ شد دو شد۔ وہ خول سا جو پانی پر تیرا کرتا تھا اور وہ تار پانی میں ڈوبا رہا کرتا تھا وہ تو تھا ہی۔ یہ آج بالکل ہی نئی ہوئی۔ اُف غضب ہی ہو گیا تھا۔ قسم ہے کچھ لیا دیا ہی کام آ گیا۔ اس وقت تو میں اس ظالم کے سر پر ہی جا کھڑی ہوئی تھی۔ بس ذرا اور لپکتا تو مجھے نگل گیا تھا۔ مگر خدا جانے۔ ہائیں یہ کیا بات ہے جی؟ جب میں اس کے بالکل پاس کھڑی ہوئی چھڑی سے اسے ٹھوکا کی، کریدا کی جب تو اس نے کروٹ تک بھی نہ لی، جنبش بھی نہیں کی اور جونہی میں نے زور سے پتھر مارا، وہ کلموا منہ پھیلا کر میری طرف دوڑا۔ ہے ہے اس کا ستیاناس جائے موا کھا ہی گیا تھا۔ مجھے یا تو فقط سر ہی سر دکھائی دیتا تھا یا پتھر مارتے ہی وہ

لمبا لہکارا ہو گیا کہ الٰہی تیری پناہ۔ اوہاں یہ کیا بات ہے کہ مگر مچھ پر پتھر مارنے سے لوہے کی سی آواز نکلتی ہے۔ تو کیا اس کا پنڈا لوہے کا ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بے شک سخت ضرور ہوتا ہے لیکن کہاں لوہے کی آواز کہاں گوشت پہ پتھر کا اثر۔ بھئی یہ تو کچھ ہماری سمجھ میں نہیں.....

فقرہ ناتمام رہتا ہے اور ایک ترکی افسر سلطانی نشان، وردی اور ٹوپی پر درخشاں سکّے ٹانکے، برجس پہنے، کرچ لگائے، پر تلہ ڈالے گھوڑا دوڑاتا برابر سے آنکلتا ہے۔ جسے دیکھتے ہی یہ اپنی چہکی چہکی باتیں کرنے کے سلسلے کو چھوڑ چھاڑ کر کھڑی ہو جاتی ہے اور پھر نگاہیں چار ہوتے ہی کچھ گھبراہٹ کچھ شرم سے یہ آگے بڑھ کر ٹہلنے لگتی ہے۔ ترکی افسر قریب پہنچ کر اس پر ایک سرسری نظر ڈالتا ہے اور دیکھتے ہی کسی خاص سبب سے گھوڑے کی باگ کھینچ کر آہستہ آہستہ پاس سے گزرنے لگتا ہے۔ اس کی مردانہ وضع اور قدرتی رعب نے اتنی پاس ہو کر لاچار گوہر بائی سے بھی سلام کو ہاتھ اٹھوا دیا جس کے جواب میں ترکی افسر فارسی میں وعلیکم السلام۔ مزاج شریف۔ کجا می مانید آغا؟ کہہ کر پھر نیچے سے اوپر تک گوہر بائی کو دیکھنے لگتا ہے۔

گوہر۔ ہیں؟ جناب! گو یہ لفظ تو میں نے سمجھ لیے مگر میں آپ کی طرح

تسلّی بخش فارسی نہیں جانتا۔

ترکی افسر۔ (مسکرا کر) اُردو ہیں، بہت خوب آپ کہاں رہتے ہیں؟

گوہر۔ ہیں تو بھنڈی بازار ہیں!

ترکی افسر اس کی دلربایانہ ادا اور ایسی صورت زیبا کا قیامت خیز بھولپن، آواز کی نرمی غرض کئی کئی وجوہ سے بے چین ہو کر گھوڑا روک لیتا ہے اور پھر یوں پوچھتا ہے۔

افسر۔ عمرت دراز باد۔ کیا کہا آپ نے؟ بھنڈی بازار ہیں آپ رہتے ہیں؟

گوہر۔ جی ہاں۔

افسر۔ بھنڈی بازار ہیں کہاں؟

گوہر۔ حاجی اسمٰعیل کی چال ہماری ہی تو ہے۔

افسر۔ آپ کا نام؟

گوہر۔ (ذرا سوچ کر گھبرائی ہوئی زبان سے) میرا نام؟ میرے نام سے آپ کو کیا کام؟ میرے بھائی صاحب کو سب جانتے ہیں حاجی اسمٰعیل وہ ہی ہیں۔

افسر۔ (مسکرا کر) کیوں آپ کو اپنا نام بتانے ہیں کوئی ہرج معلوم ہوتا ہے؟

گوہر۔ (ذرا جھینپ کر) جی نہیں۔ ہرج تو کوئی نہیں بس دکان ہی کا نام مشہور ہے۔ اس سے سمجھ لیجئے۔ حاجی اسمٰعیل تاج الدین۔

افسر۔ اچھا اچھا، آپ حاجی اسمٰعیل کے حقیقی بھائی ہیں، تاج الدین آپ کا نام ہے؟

گوہر۔ جی ہاں۔ عرض تو کیا میں نے۔

اس سوال جواب میں برابر دیکھا جا رہا ہے کہ ترکی افسر کے دلی شکوک ڈگنے اور چوگنے بڑھتے جاتے ہیں۔ وہ بہتیرا چاہتا ہے کہ اپنے ما فی الضمیر کو ظاہر بھی دیکھ لے مگر گوہر کی متلون مزاجی، کبھی رک جانا، کبھی متانت سے اچھا خاصا جواب دے دینا، کبھی اٹھلانا کبھی ستانا اسے کسی طرح سنبھلنے نہیں دیتا اور آخر لاچار ہو کر صرف اسی فقرہ پر اس سرسری ملاقات کو ختم کرنا چاہتا ہے کیونکہ اک اجنبی آدمی سے اس طرح خلا ملا ہو جانا بھی ٹھیک نہیں تھا۔

ترکی افسر۔ بہت خوب۔ تو کیا کبھی پھر بھی آپ ہم سے مل سکیں گے؟

گوہر بائی۔ (دل میں) نوج خدا نہ کرے (ظاہرا) جی ہاں جب جی چاہے تشریف لائیے۔ میں دکان ہی پر ہوتا ہوں۔

ترکی افسر۔ شکریہ۔ اگر آپ کو بھی کبھی ترکی قونصل کی ضرورت ہو تو بالعمل

کو ضرور بادیجئے گا۔

یہ کہہ کر اس نے اپنے گھوڑے کو چمکارا اور ہاتھ ملا کر آخری نگاہیں گوہر بانی کے چہرے پر ڈالتا بگٹٹ ہو گیا۔

۵

اسامی بازوں کا اجلاس

بوری بندر، مسٹر کواڈرس کا بنگلہ یا فوٹو کا کارخانہ، رات کے دس بج چکے ہیں۔ ڈرائنگ روم میں سب احباب جمع ہیں۔ یہ وہ کمیٹی ہے جو ہر ہفتہ اپنی جمہوری سلطنت کے حکم سے منعقد ہوا کرتی ہے۔

پریسیڈنٹ یا میر مجلس ایک فقیر صاحب ہیں جن کی ہیئت کذائی قابلِ دید ہے۔ بھونرے سے زیادہ کالے دھنبور۔ ننگے دھڑنگے، لمبا قد، موٹے موٹے مضبوط ہاتھ پیر۔ فولاد کی طرح سخت جسم، ناف تک لٹکتی ہوئی تل جاؤلی داڑھی بڑی بڑی مونچھیں، لنگوٹ کے اوپر ریشمی کسی موٹے ڈھٹ کپڑے کا تہمت (تنہ بند) سونے کی تاگڑی نما زنجیروں سے کمر کسی ہوئی۔ عورتوں کی طرح

لمبی لمبی کاکلیں شانوں پر بکھری ہوئیں۔ پھٹے پھٹے دیدے۔ خون کبوتر سے زیادہ سُرخ۔ سچے موتیوں کا بھبوت ملے صدر کی کرسی پر آسن مارے بیٹھے ہیں۔ ان کے داہنے ہاتھ پر ایک کرسی خالی چھوڑ کر ایک ڈاکٹر صاحب اسی گروہ کے معالج متمکن ہیں۔ دواؤں کا بدلنا، دیکھنا بھالنا، خاصیت بتا دینا، حتیٰ کہ وقت پر اپنی کمیٹی کے بیمار کو اشرفی تولے کی دوا پلا کر بچا لینا انہی کا کام ہے۔ ان کے ہم پہلو ایک مولوی صاحب ہیں، ماتھے پر گٹا، شرعی پاجامہ، متبرّک داڑھی، وعظ کے دھنی۔ انھیں شہر کے مختلف حصّوں میں پھر کر اپنا رنگ جمانا اور غول در غول وقتاً فوقتاً کسی امیر آدمی کا متلاشی رہنا، بہت کچھ رواں ہے۔ ان کے بعد ایک دوا فروش ہیں جن کی دکان شہر ہی میں کہیں ہو گی مگر سوائے اس کمپنی کے اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ اس میں کیا کیا دوائیں ہیں اور وہ کس وقت کھلتی بند ہوتی ہے۔ ہاں اکثر پھیری پھرتے ہوئے بغل میں چھوٹا سا صندوقچہ دبائے شاید کسی نے دیکھ لیا ہو تو دیکھ لیا ہو۔

دوسری کرسی پر ایک سولہ[١٦] پریوں کے عاشق زار ہیں جن کے سلٹی قابو کی گنجفہ، حکمی، فلاس، ترپ رٹپ م چوسر، شطرنج غرض کسی چیز میں بند نہیں۔ سب کھیلوں میں بازی انہی کے ہاتھ رہتی ہے سلٹی کا کھلاڑی

اگر آ جائے تو آٹھ کوڑیاں انھوں نے اس سے مانگیں ہیں تو جب پھینکیں گے آٹھ ہی پھینکیں گے۔ ممکن نہیں کہ کوڑی دغا دے جائے۔ کلکتہ، کراچی بندر، پشاور، غرض جہاں جہاں پتہ لگا ہے کہ فلاں جگہ بڑا چلتا ہوا کھلاڑی موجود ہے یہ بلائے بے درماں آندھی کی طرح گیا ہے اور آناً فاناً ہیں اسے جیت جات کھسک کر چلا آیا ہے۔ کھیلتے کھیلتے جب کوڑی ہیں فرق پڑتا ہوا معلوم ہوتا ہے بنی ہوئی کوڑیاں اس صفائی سے اس کی گھاٹیوں ہیں پہنچ جاتی ہیں کہ آدمی دیکھنے کا دیکھتا رہ جاتا ہے اور یہ چٹکی بجاتے ہیں سب کچھ دھر ادھکا چھین چھان ہزاروں کے وارے کر لیتا ہے۔ گنجفہ ہیں پادشاہ چنگ اس بلا کا جانتا ہے کہ اگلا پتہ پیچھے اور پیچھے کا جہاں یہ چاہے فوراً ایک حرکت ہیں پہنچ جائے۔ کیسا ہی شرتا کھلاڑی کیوں نہ ہو مگر اس کمپنی کا ممبر اس کا دوالہ نکالے بغیر نہیں رہتا۔

ان کے زینت پہلو ایک بنگالی ماشا ہیں۔ ضُل و جُل وہ اپنے کام ہیں جواب نہیں رکھتے۔ سینکڑوں کرنسی نوٹ بنا ڈالے اور دن دھاڑے چلا دیئے۔ بہتیروں کو روپ بدل بدل کر آسامی بنا لیا۔ ہزاروں کا مال خرید لیا لیکن کسی نے نہ پہچانا کہ کیا چال ہوئی۔ دوسرے پکڑے گئے وہ صاف رہے۔

ان کے برابر دو کرسیوں پر سُنار اور ڈھلیئے دو آدمی اور جلوہ افروز ہیں - وہ جھوٹا گہنا سچے کو مٹا دینے والا اور یہ نقلی روپیہ اصلی سے روپ والا ایسا بناتا ہے کہ رتی بھر کا بھی فرق نہیں ہوتا - جہاں رات ہوئی اور ان کی گرم بازاری شروع ہوئی - بمبئی سا غدار شہر ہزاروں روپیہ کا لین دین اور ان کے دھوکے - اسے مارا اُسے مُوسا - اسے بٹھا کر دیا -

ایک اور صاحب ان کے ہم صفیر ہیں - یہ گھی بناتے ہیں - تمام دُنیا میں بیسے پھر ہیئے زمرے میں فرق نہ چکنائی میں -

دوسرا ہٹ ایک حکیم صاحب بھی ہیں - یہ اپنی حکمتِ عملی سے کاگا باسی موتیوں کو سچوں سے ہم پلہ کر کے بیچ ڈالتے ہیں - زعفران، مشک مونگا بنا دینا بھی ان کا ایک ادنیٰ نسخہ ہے -

شعبدہ بازی کے بیلے بھی ایک ذاتِ شریف موجود ہیں - ان سے جب کہیئے گلاب کے پھولوں کا فرش کر دیں - آناً فاناً میں جس شہر کی چیز یا مٹھائی کا اشارہ ہو فوراً حاضر کر دیں - جب کسی سادہ لوح کو موہنا ہو تو چھنا چھن چھنا چھن بلبیوں روپوں کا ڈھیر کر دیں - باغ لگا دیں - میوے کھلا دیں - گھڑی انگوٹھی توڑ تاڑ کے کنوئیں میں پھکوا دیں اور پھر محفل میں بیٹھے بیٹھے کسی پھل کو تراش کر اس میں سے پیدا بھی کر دیں - غرض صدہا کرشمے ان کے اُلٹے

ہاتھ کا داؤں ہیں۔

حاضرین جلسہ میں ایک بورشین مسٹر کو اڈرس نامی فوٹوگرافر بھی ہیں۔ ان کی وساطت سے اکثر سادہ لوح انگریز بھی کمپنی کے جال میں پھنستے رہتے ہیں، حکام ضلع یا پولیس افسر بھی انہی صاحب بہادر کی وجہ سے ساز رکھتے ہیں۔ غرض دن رات چاندی سونے کے دریا یہاں بہتے ہیں اور کیا حاکم کیا محکوم سب کے سب خوب مزے سے ہاتھ رنگتے ہیں۔ جتنی سائنٹفک ترکیبیں کمپنی کو وقتاً فوقتاً سوجھی پڑتی ہیں وہ بھی خبر سے آپ ہی کی ساختہ پرداختہ ہوتی ہیں کیونکہ آپ سائنس میں بھی ایک عمدہ دستگاہ رکھتے ہیں۔

ایک مستری بھی معہ ایک انجنیئر صاحب کے رونق محفل ہیں جتنی مشینیں اسٹیچو، سلپنچے، خول وغیرہ اس کمپنی کو اپنے فریب اور دھوکے بازیوں کے لیے مطلوب ہوتے ہیں وہ سب انہی ذات بابرکت کا ظہور ہوتے ہیں۔

مختصر یہ کہ ارباب جلسہ میں سے جتنے صاحب بیٹھے ہیں سب ایک سے ایک بڑھتے چڑھتے ہیں، رہے پیر صاحب یعنی صدر انجمن بہادر، ان کا بھلا کیا ٹھکانا ہے۔ بس یہ سمجھ لیجیے کہ وہ سب گرگے ہیں اور یہ پیر و میر، خاک کو اکسیر کر دینا ان کا ایک ادنیٰ اشارہ ہے۔ چیلے چانٹے صبح ہوتے ہی اپنی اپنی فکروں کے موافق اِسے مار اُسے باندھ۔ یہ لے وہ اڑا غرض

تمام شہر میں پھیل جاتے ہیں۔ جہاں کوئی مفلس، بیمار، اولاد کا خواہش مند، فوٹو کا دلدادہ، کاریگری کا بھوکا ملا اور پرکار اسامی معلوم ہوا بس انھوں نے اسے راگ پلانے شروع کر دیئے اور جھٹ شیشے میں اتار انور فقیر صاحب کے سامنے لا کھڑا کیا یہاں کیا دیر تھی۔ ہر قسم کا مصالحہ تیار رہتا ہے۔ ایسا سر سہلایا اور بھیجا کھایا کہ بیچارے کے سر پر ایک بال تک نہ چھوڑا۔ کونسا کمال ہے جو ان فقیر صاحب میں نہیں۔ کونسا منتر ہے جو آپ کو نہیں آتا۔ منتر تو منتر، آپ کا کاٹا تو بقول شخصے پانی بھی نہیں مانگتا۔ غرض ایں خانہ تمام آفتاب است۔

جلسے میں آئے ہوئے اور ان حضرات کی منبرک صورتیں دیکھتے ہوئے کم سے کم پچیس منٹ صرف ہو گئے ہوں گے مگر تعجب ہے کہ اتنوں میں سے ایک نے بھی کسی قسم کی گفتگو شروع نہیں کی۔ سب کے سب چپ چاپ منہ میں گھنگنیاں سی بھرے بیٹھے ہیں۔ قریب تھا کہ اس "صم" "بکم" کا سلسلہ اور بھی طول کھینچے جو دفعتاً ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا اور ایک دبلا پتلا شریر النفس آدمی لمبی مینڈ چھوٹی سی گول ٹوپی پہنے پتلون نما پاجامہ، ڈھیلا ڈھالا لمبے گریبان کا نیچا کرتہ پھڑ کائے بوٹ پہنے گھٹ پٹ کرتا کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کا آنا تھا کہ سب کی نگاہیں نہایت ہی بے چینی سے

اس کی طرف بڑھیں اور فقیر صاحب نے بھی مسکرا کر یہ فقرہ ادا کیا۔

فقیر یا سرغنہ ۔ (پنجابی زبان میں) کیوں اوئے اج تے توں بڑی دیر کیتی؟ بابو لعل! کی ہو گیا سی تینوں؟ (کیوں بھئی آج تو تم نے بڑی دیر کی۔ کیا ہو گیا تھا تم کو)

بابو لعل ۔ (بہت ہی مؤدب ہو کر) کیا کہوں پیر و مرشد! اس وقت ایک ایسا مال ہاتھ سے نکل گیا کہ بس ہاتھ ملتا چلا آتا ہوں (اپنی خالی کرسی پر جو فقیر صاحب کی داہنی جانب بچھی ہوئی تھی بیٹھ کر) بس اس جھگڑے کی وجہ سے آپ کو میرا انتظار کرنا پڑا۔

سرغنہ ۔ (اپنی پنجابی زبان میں) چنگا ۔ تے اسی بھی سن لیے کیہڑا مال سی او؟ (اچھا تو پھر ہم بھی تو سنیں نا کیا مال تھا وہ)۔

بابو لعل ۔ اجی کیا بتاؤں ۔ جیسا ملا ویسا نہ ملا وہ تو برابر ہی ہے۔ اب اس کا ذکر جانے ہی دیجیے اور ناحق کو رنج ہو رہا ہے اس وقت۔

سرغنہ ۔ (جو اُردو، کسی قدر انگریزی پنجابی کئی زبانیں سمجھ بھی لیتا ہے مگر چونکہ پنجابی سرشت ہے اس لیے پنجابی ہی بولتا ہے) نا ویے متراں نے کش گل نہ ہوئی ۔ اکثر ساڈے تکاں پھیرا (نہیں بھئی دوست! یہ تو کوئی بات نہ ہوئی ۔ آخر ہم سے پردہ رکھا) ۔

بابولعل۔ توبہ توبہ۔ بھلا آپ سے چھپا کہ کہاں رہ سکتا ہوں۔ اجی کوئی چار دن ہوئے جب ایک لونڈا سا پنڈت کا یا مسلمان کا بڑی پُرکار آسامی ملا تھا اور آج بھی۔ لیکن ہے ایسا تُرنا اور کائیاں کہ نہ اس دن راگ میں آیا اور نہ آج۔ اس دن تو خیر ٹریم میں تھا کچھ یونہی سی باتیں ہوئے پائی تھیں جو وہ اُتر گیا تھا۔ مگر آج تو میں نے اسے ایسے ایسے دم جھانسے دیئے، وہ وہ راگ پلائے کہ اگر کسی سیانے کو پلاتا تو وہ بھی داؤ میں آجاتا۔ لیکن نہ آیا تو یہ لونڈا۔ اُفوہ! بے فقتے!

ڈاکٹر۔ (برابر سے) اوہ کیا پروا ہے بابو! فردپھر آئے گا۔ فردپھر آئے گا۔ تم سے بچ کہ کہاں جائے گا؟

مہرغند۔ (شفقت سے بابو کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر) ہلا تے بس اِنھی ہی گل سی جدا انا رولا پا رکھیا سی۔ ایس ویلے نہیں ہور ویلے دیکھیا جاؤ۔ توں تے بس ایہہ چاؤ ناں ایں کہ جو کجھ ہونا اے چھیتی ہو جائے (اچھا تو بس اتنی ہی سی بات تھی جس کا اتنا غُل مچا رکھا تھا۔ اس وقت نہ سہی اور وقت دیکھا جائے گا۔ تم تو بس یہ چاہتے ہو کہ جو کچھ ہونا ہو جلدی سے ہو جائے)۔

بابو لعل۔ (ہنس کر) جی ہاں پھر جو ہونٹ پڑے ہو۔ دیکھئے انشاء اللہ آپ کی دعا سے اب کی دفعہ اور ہل جائے کہیں پھر دیکھئے کیسا مارتا ہوں۔ للا کو چودہ طبق ہی روشن ہو جائیں۔ اسی طرح ایک سیٹھ صاحب اور تھے۔ کوئی چھ سات دن ہوئے وہ بھی بڑے پھٹے پھٹے پھرتے تھے۔ کسی طرح پروں میں گھٹتے ہی نہیں تھے۔ کل جو ایک جوڑ مارتا ہوں تو جھٹ دس ہزار اُگل دیئے۔

یہ کہہ کر اس نے دوا فروش کی طرف اشارہ کر کے کہا: "لائیے صاحب وہ رقم"۔

دوا فروش صاحب فوراً اپنی جگہ سے اُٹھتے ہیں اور گڈی کی گڈی کرنسی نوٹوں کی اپنی جیب میں سے نکال کر میز پر پریسیڈنٹ کے سامنے رکھ کر پھر اپنی کرسی پر جا بیٹھتے ہیں۔

فقیر صاحب۔ اوئے ایہہ تے اوہی او سدن والا کم ہوئے گا۔

کیوں بھائی؟ (یعنی یہ وہی اس دن والا کام ہے)۔

بابو لعل۔ (مفتخرانہ ہنس کر) جی ہاں آپ سے کیا پردہ ہے؟

سب کی آنکھیں اس رقم کو دیکھتے ہی کھل گئیں۔ سب کے دہانِ طمع میں پانی بھر آیا اور بہت سی لالچ بھری نگاہیں اس بات کی منتظر

ہو گئیں کہ کب وہ رقم حسب دستور سب میں تقسیم ہو اور کب گلچھڑے اڑائیں۔ آخر وہی فقیر صاحب اپنی کرسی پر سے اٹھتے ہیں اور اپنے ایک خزانچی یا دوسرے معنی میں اردلی سے جو سب سے اخیر کی کرسی پر بیٹھا تھا کنجی مانگ کر جہاں میز بچھی ہوئی تھی وہیں سے زمین دوز خزانہ کا قفل کھول کر ایک صندوق نکالتے ہیں جو معاً ایک بے طرح معلوم کھڑکاؤ بانے سے حوض کے اندر سے ٹریپ کی طرح سے دفعتاً اوپر آجاتا ہے اور پورے دس ہزار روپیہ کی دس تھیلیاں باہر نکالتے ہی زمین پر ڈھیر کی جاتی ہیں اور ان کی کمی انہی کرنسی نوٹوں سے پوری کی جاتی ہے۔

پھر جب ہر ایک کے لیے دوہرا اور اکہرا۔ آدھا اور چوتھائی حتیٰ کہ آٹھویں حصّے تک تقسیم ہو جاتا ہے تو ہر شخص اپنی کرسی سے اٹھتا ہے اور اپنا اپنا مالِ غنیمت گروجی کو تسلیم کر کے لے لیتا ہے۔ اس تقسیم کو ہم یوں بیان کر سکتے ہیں کہ سب سے زیادہ روپیہ تو سرغنہ صاحب کی جھولی میں اور ان کے بعد ان سے کم بابولعل کی جیب میں باقی گھٹتے گھٹتے اخیر میں ⅛ تک معمولی خدمتگاروں کو جو اکثر ان لوگوں کے مختلف احکام کی تعمیل میں وقتاً فوقتاً گیا کرتے ہیں دے دیئے گئے اور جلسہ بڑی خوشی خوشی آئندہ کسی سوسائٹی کے لیے نئی نئی تمناؤں کا تصور کرتے ہوئے برخاست ہو گیا۔

جب سب یارانِ جلسہ اپنی اپنی جیبیں بھر کر بنگلے سے نکلنے لگے اور وڈاکٹر کواڈرس صاحب پھر اپنے سامنے خزانہ اچھی طرح مقفل کر کے پہرے والوں کو قرار واقعی حفاظت پر مامور کر کے دوسرے کمرے میں جانے کو تیار ہو رہے تھے، فقیر صاحب یہ لفظ کہتے ہوئے روانہ باشد ہو گئے کہ "دوستو! تم اپنے اپنے گھر خشکی میں جاؤ اور ہم پانی کی سیر کرنے"

٦

چوروں پہ مور

اسی رات کے بارہ بج رہے ہیں۔ گرجاؤں، اسٹیشنوں، دفتروں اور بڑی بڑی کوٹھیوں کے گھنٹے گجر بجا کر یہ بتا رہے ہیں کہ لیلیٰ شب کی زلف کمر تک لہرا گئی یا آدھی ادھر آدھی ادھر۔ سوئے سنسار اور جاگے پاک پروردگار کا مسئلہ صادق آیا لیکن جس جگہ ہمیں اس رات کا سین کھینچنا ہے وہ سوئے سنسار کے بالکل خلاف ہے۔ وہاں گیس کی روشنی کے مارے رات کا اچھا خاصا دن ہو رہا ہے۔ گاڑیاں، گھوڑے، مسٹر، جنٹلمین، سیٹھ، پارسی، یہودی، میمن، خوجے ہندوستانی کام کاجی لوگ عرب، عجم، کابلی، دکنی غرض ملک ملک کی یادگار کیا غریب کیا امیر

بازاروں میں سیر کرتے پھر رہے ہیں۔ ہر ٹاورن (چائے خانہ) ہر بھٹی (شراب خانہ) ہر بلیرڈ روم (جوئے گھر) بقعہ نور بنا ہوا ہے۔ قریب قریب چاروں طرف شراب ڈھل رہی ہے۔ دن بھر کے تھکے ماندے اہل صنعت وحرفت نوکری پیشہ دو دو گلاس چڑھا کر کسل دور کر رہے ہیں۔ تاڑی اور سیندھی کے دلدادہ بھی الگ نشے جمائے ہوئے ہیں۔ پان، چائے، سگریٹ، آئس کریم، برف، لیمنڈ، سوڈا کونسا ایسا ہے جو نہیں چکھ رہا۔ جسے دیکھو پتلون نما پائے جامہ، ولایتی یا دیسی بوٹ، ٹخنوں تک نیچا کرتہ، اس پہ گرم صدری یا پٹی کوٹ۔ صدری کے مونڈھے میں کسی نہ کسی قسم کا رومال ٹھسا ہوا ہے۔ گھڑی کی چین صدری کی متوازی جیبوں میں پڑی ہوئی ہے، چھڑی اڑاتے ادھر سے اُدھر، اُدھر سے اِدھر گشت کرتے پھر رہے ہیں۔ جس ٹاورن (چائے خانہ) کے پاس سے گزرو "دو کوپ (کپ) چائے، چار بسکٹ۔ دو باٹلی (بوتل) سوڈا، دو کباب، چار گلاس شربت، برف برف" بس یہی آوازیں ہیں جو کان پڑی آواز خریداروں کی کثرت کے مارے نہیں سننے دیتیں، ہر طرف آدمی پہ آدمی گر رہا ہے۔ گربنڈ روڈ (ایک محلہ) سے بھنڈی بازار تک اور گلاب باڑی (نام محلہ) سے لے کر کالی مائی، پاؤں دھونی، نیا گاؤں قریب قریب تمام شہر میں یہی چہل پہل

بی گہما گہمی ہو رہی ہے۔

سفید بازار یا نیا گاؤں اپنے اپنے کمرے بازاری پری چہرہ عورتوں سے آراستہ کئے ہوئے ہے۔ جس گلی میں گزر رو، ان آزاد منش عورتوں کی صف کی صف بنی سنوری کھڑی ہے۔ کوئی ہندوستانی ہے کوئی یوریشین، کوئی یہودی، مگر جو ہے وہ اپنی زبان میں اظہار مطلب اور مبلغان علیہ السلام کا سوال کر رہی ہے۔ بازاروں میں جوان جوان پنواڑنیں ریشمی ساڑیاں باندھے پھنسی پھنسی چولیاں پہنے ماتھے پر بندیاں لگائے ایک دنیا کو مرغ رو کئے دیتی ہیں۔ دھیلے کا مال دو پیسے کو دینا انھیں کا کام ہے۔ پولیس کا ایک ایک کانسٹیبل یہاں خود بہ نفس نفیس کوتوال کا حکم رکھتا ہے۔ جہاں دو آدمیوں کو آپس میں نرم گرم ہوتے دیکھا اور جھٹ "تم پیا لا ہے۔ تم پیا لا" (یعنی پئے ہوئے ہو) کہہ نشہ کا جرم یا دفعہ ۳۴ قائم کر دونوں کے گلے میں دوپٹہ ڈال کھینچتا ہوا بے تکلف لیے چلا جاتا ہے۔ تھانہ میں پہنچ کر مہتمم اسٹیشن کی اگر مٹھی گرم کر دی تو حصہ رسد سب کو کچھ نہ کچھ مل گیا اور مجرم بے چارہ چھوٹ گیا۔ نہیں تو صبح تک حوالات اور پھر چالان۔

چھانکئے (بدمعاش) یہ بھی ایک گروہ ہے جو شام ہوتے ہی اپنی اپنی ٹولیوں سے الگ ہو ہو کر رئیسوں، سیٹھوں، کھاتے پیتے لوگوں کے ہمر

ہو جایا کرتا ہے۔ جدھر دیکھئے ایک ایک سیٹھ کے پیچھے دو دو چھانکئے صرف گلوبند سر سے لپیٹے، ڈھیلا ڈھالا سا ایک کرتہ پہنے پتلون اڑاتے ننگے پیر ڈنڈا بغل میں دبائے، "لاؤ سیٹھ ڈبریا (پیسہ) لاؤ سیٹھ ڈبریا" کہتے پھر رہے ہیں۔ اگر سیٹھ نے اپنی آبرو بچانے کو ایک آدھ روپیہ شراب کے لیے دے دیا تو خیر گزری نہیں تو انھوں نے دو ڈنڈے اندھیرے سے اجالے مارے اور یہ جا وہ جا۔ کوئی پرسان ہی نہیں۔ بمبئی والے تو خیر ان حرکات کا انتظام روپیہ چیٹا چھوکر بھی لیتے ہیں۔ لیکن انجان مینوں مسافر اکثر اپنے روپے مفت صرف ہوتے ہوئے دیکھ کر ان لوگوں سے پہلو تہی کر جاتے ہیں اور آخر کو جان کا صدقہ مال نہ سمجھ کر تکلیف بھی اٹھاتے ہیں۔

غرض جہاں تجارت کے لحاظ سے یہ شہر اول درجہ کا گنا جاتا ہے وہاں وفور جرائم اور کثرت فسق و فجور کا بھی مرکز ہے۔ آسامی بازوں کے جلسے کا عالم تو ابھی آپ حضرات کو یاد ہی ہوگا۔ شاید اس میں بابو لعل کی زبانی یہ بھی بیان ہوا تھا کہ ایک پنڈت کا لڑکا بڑا ابھرتا تھا۔ اسے بہتیرا ورغلایا گیا مگر کسی ڈھب پر نہ چڑھا اس معمّا کی تشریح یوں ہو سکتی ہے جب ہم مفصلاً بیان کریں۔

اصل میں وہ جان ہار لڑکا بڑا ہی چلتا پرزا تھا۔ بابو لعل جیسے مفتری اور

آسامی بازی کی ہاں میں ہاں ملاتا ہوا یہ گہ بینڈ روڈ تک آیا اور وہاں سے داؤں بچا کر جھٹ الگ ہو گیا۔ بابو لعل کو اس کمپنی میں شامل ہونے اور مال غنیمت کا حصہ پتی کرنے کے لیے پوری بندرا اس بنگلے میں جانے کی ضرورت تھی۔ اس واسطے اس نے وہیں سے ایک گھوڑا گاڑی کی اور پوری بندر کا راستہ لیا۔

وہ آفت کا پرکالہ بھی اس کے کسی عزم کو بھانپ چکا تھا بلکہ کئی دفعہ اس چال باز مکّار آدمی کی باتوں سے مشتبہ بھی ہو چکا تھا۔ معاً دوسری گاڑی کرا کے اس کے پیچھے پیچھے مسٹر کواڈرس کے بنگلہ تک آہستہ آہستہ چلا آیا۔ جونہی وہ گاڑی سے اتر کر بنگلہ کے احاطے میں داخل ہوا، اس نے بھی اپنی گاڑی کو ایک پوشیدہ جگہ ٹھہرا کر سیدھا بنگلے میں چلے جانے کا ارادہ کیا اور اس دغا باز آدمی کی پوشیدہ کارروائیوں کی سُن گُن لینے کا حد سے زیادہ شائق ہو گیا۔ لیکن انجان حالت میں جس دروازہ یا جس پہلو سے بنگلہ میں جانا چاہا نہ جا سکا، تھوڑی دیر تک دبے پاؤں اِدھر اُدھر خفیہ دروازہ کا متلاشی پھرا کیا۔ آخر نہ رہ سکا اور پہرہ والوں کی نگاہیں بچاتا ہوا بنگلہ پچھواڑے کے برآمدے میں جا ہی گھسا۔

وہاں سے ڈھونڈ بھال کر کمرہ کا ایک دروازہ پیدا کیا کھولنا چاہا

تو چٹخنی اندر سے لگی ہوئی تھی۔ اس کام کے لیے اس نے ایک چھوٹا سا پتھر اُٹھا لیا اور جھٹ شیشہ توڑ ڈالا۔ چھن سے کوئی چیز نیچے فرش پر گر پڑی اور یہ سہم کر ایک طرف کو دبک گیا۔ جب اُدھر سے کوئی دیکھا بھالی نہ ہوئی تو پھر یہ اپنی جگہ سے بڑھا اور اس ٹوٹے ہوئے شیشے کے خانے میں ہاتھ ڈال کر اندر کی چٹخنی گرا دی اور اس طرح کواڑ کھل گئے۔ پھر تو یہ جی کڑا کر کے اندر چلا ہی گیا۔ یہاں بھی باہر کی طرف کسی قدر اندھیرا تھا لیکن ایک دیوار بیچ والے ڈرائنگ روم میں سے برقی لیمپ کی روشنی برابر دوہری اور چوہری دیواریں پھلانگ کر روشندانوں کی مدد سے یہاں بھی پہنچ رہی تھی۔ لڑکا ایک بڑی الماری کی مدد سے روشندان کے قریب پہنچ گیا اور جھانکنے لگا۔

یہاں اتفاق سے اس وقت اسی کا ذکر بھی ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے دشمن کی زبانی اپنے کانوں سُن لیا کہ یوں وہ پنڈت کا لونڈا صاف نکل گیا اور یوں مجھے رنج ہوا بلکہ آئندہ اپنے گرفتار اور درماندہ کرنے کے دعوے بھی سُن لیے۔ ایک دوسرے سادہ لوح امیر آدمی کا پورا دس ہزار روپیہ انٹی کر کے حصہ رسد بٹتے ہوئے بھی دیکھ لیا۔ سب سے زیادہ جلسہ برخاست ہونے پر سرغنہ یا فقیر صاحب کا وہ فقرہ سُن کر کہ "تم سب

اپنے اپنے گھروں کو جاؤ اور ہم پانی کی سیر کرنے" اسے حد سے زیادہ تعجب بھی ہوا بلکہ اس بے دلی مسودے جن کو یہ کسی خاص کام کے لیے دن رات لگا نٹھا کرتا تھا بے طرح اس کی آنکھوں میں پھرنے لگے اور یہ ہکّا بکّا ہو کر کچھ منٹ کے لیے بُت بن کر رہ گیا۔ پھر خدا جانے کیا اوسان آگئے یا کیا سوجھی کہ ابھی اس مکّار دغا باز کمپنی کا ایک بھی ممبر بنگلے سے باہر نہیں نکلنے پایا تھا اور خزانہ کا صندوق ڈاکٹر صاحب بہادر اسی زمین دوز حوض میں رکھوا ہی رہے تھے جو یہ جلدی جلدی دبے پاؤں کمرہ سے باہر نکل کر اپنی گاڑی میں جا بیٹھا۔ گاڑی بان کو فوراً تیز چلانے کا حکم دیا گیا اور بیس منٹ کے اندر اندر نوجوان امیر زادہ پھر نئی بازار کے ٹگ بھگ آن پہنچا۔

لیکن دیکھنا! عجب تماشا ہے۔ جوں جوں کوچ مین بے زبان جانوروں پر تیز چلنے کے لیے ہنٹر پہ ہنٹر مار رہا ہے دوں دوں یہ اپنے کپڑے اُتارتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ صافہ، اچکن پتلون سب پھینک پھانک یہ تو بجائے ایک حسین مرد کے سچ مچ کی دوشیزہ پری چھم بن گیا۔ اہاہاہا! زنانے کپڑے جو مردانے کپڑوں کے نیچے تھے، اس کے سڈول بدن پر بلا کا زیور معلوم ہونے لگے۔

نل بازار آتے ہی اس نے ایک سوداگر کے گھر پہ اپنے مردانے
کپڑے رکھے اور وہیں سے ایک زعفرانی دوشالہ لے کے گاڑی والے
کو چھوڑ چھاڑ اُسے لٹتے ہی باؤں بوری بندر سے آنے والی سڑک پہ لالٹین
کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اُدھر سے بابو لعل یا دوسرے معنوں میں فقیر
صاحب کے نفس ناطق مفت کے روپوں سے جیبیں بھرے گاڑی
اڑائے چلے آتے تھے۔ اس نے گاڑی کے گھوڑوں کو پہچانتے ہی
اور بھی لالٹین کے قریب ہو کر بلا کے دلربایانہ لہجہ میں یوں پکارنا
شروع کر دیا۔

حسین عورت ۔ او گاڑی والے! او گاڑی والے! ٹھہر جا۔ اے موئے
ہمیں بھی لے چل۔

عورت کا لہجہ معشوقانہ، آواز تیر کی طرح بدمعاش حرامکار بابو لعل
کے دل میں اُتر گئی اور اس نے بہت ہی بےچین ہو کر کھڑکی میں سے
جھانک کر دیکھا۔ دیکھنا تھا کہ روح نکل گئی۔ ؎

نظر ملانے کا مجھ سے فقط بہانہ تھا
اُدھر سے تیر چلا دل اِدھر نشانہ تھا

زعفرانی دوشالہ اوڑھے ایک شعلہ جوالہ کو دیکھا اور ساتھ ہی اس کی

پیاری زبان سے یہ قیامت کے البیلے لفظ "او گاڑی والے! او گاڑی والے! ارے موئے ہمیں بھی لے چل" اب کہاں تھے بابو لعل جو اپنے آپ کو سنبھالتے۔ ایک تو روپے کا نشہ۔ ٹھیک بارہ بجے رات کے اکیلا بے مثل معشوق۔ بھلا کیونکر رہا جاتا۔ جھٹ تڑپ کر گاڑی والے کو آواز دی۔

بابو لعل ۔ رو ک، لو گاڑی۔ بس ایک قدم آگے نہ بڑھے اب،

حکم کی تعمیل ہوئی اور لالٹین سے کچھ دُور جا کر گاڑی بالکل تھم گئی۔ دروازہ کھلا اور تڑاق سے بابو لعل صاحب نیچے اُتر پڑے۔

حسینہ ۔ (شرم سے گردن جھکا کر) اوئی! میری شامت میں سمجھی تھی گاڑی خالی ہے۔ سیٹھ جی! آپ بیٹھ جائیے۔ مجھے معاف کرنا۔

بابو لعل ۔ (جس نے ایک ہندوستانی حسین، جوانی میں بھری ہوئی عورت کو اس طرح اکیلا دیکھ لیا تھا) واہ صاحب! خالی کو اب کونسی بھری گاڑی ہے سرکار! آپ شوق سے سوار ہو جائیے۔ جہاں آپ جائیں گی وہیں اُتار دیا جائے گا۔ کیا مضائقہ ہے۔

حسینہ ۔ (مسکرا کر) جی نہیں! مضائقہ تو کچھ نہیں۔ لیکن ہم کسی کے ساتھ نہیں بیٹھتے۔ اس میں تو تم بھی ہو گے ہمیں شرم نہ آئے گی۔ واہ؟

بابو لعل۔ (ان الفاظ بینہ کے فقروں پر بے چین ہوکر) اجی! آپ چل کے بیٹھیں تو، ہم پیدل ہی چلے چلیں گے۔

حسینہ۔ (گردن کو ایک خفیف سی حرکت دے کر) جی بجا۔ یہ ہم سے بھلا کب دیکھا جائے گا کہ آپ تو پیدل چلیں اور ہم سوار ہوجائیں۔

بابو لعل۔ ہائے ظالم۔

حسینہ۔ یہ کیا کہا صاحب! زبان سنبھالو زبان۔ ہم نہیں بیٹھنے کے وا۔ تم تو ہمیں ابھی سے ظالم ٹھہرائے دیتے ہو۔ جان نہ پہچان بڑی خالہ سلام۔

راوی۔ واللہ۔ مانتے ہیں کیا جلدی سے بھانجا بنایا ہے؟

بابو لعل۔ (رعبِ حُسن سے خائف ہوکر) اچھا صاحب! میں بھول گیا تھا۔ میں نے خطا کی۔ میں نشے میں تھا۔ معاف کیجیے۔

حسینہ۔ ہائے میرے اللہ! تم نشہ بھی پیتے ہو؟ بس تو جاؤ صاحب! رخصت۔ میں تمھارے ساتھ ہرگز نہیں بیٹھوں گی۔ تمھاری بھلی چلائی۔ تم جب نشے ہی میں ہو تو تمھاری بات کا کیا اعتبار؟

بابو لعل۔ نہیں نہیں۔ میں تو (ہاتھ جوڑنے لگتا ہے) یوں ہی کہتا تھا۔ شراب میں سے تو بو آتی ہے۔ تم چاہے میرا مُنہ سونگھ دیکھو۔ میں نے

نہیں پی - یہ تو صرف ایک مذاق تھا -

حسینہ - لاؤ - اچھا - ٹھہرو (لالٹین کی طرف اس کا منہ کر کے ذرا قریب ہوتی ہے لیکن جتنی جتنی یہ مہ جبین غارت گر دین و ایمان، شوخ، چنچل اس کا منہ سونگھنے کی غرض سے بڑھتی ہے اُتنا ہی اُتنا بدمعاش جفا پیشہ آدمی کا دل ہاتھوں سے نکلا جاتا ہے —— بے اختیار اس کا جی یہ چاہتا ہے کہ اسے کلیجہ سے لگا لے)۔

حسینہ - (دُور ہی سے اس کا منہ سونگھ کر) اچھا صاحب! چلتے ہیں ہم - لیکن ہم الگ بیٹھیں گے - تم الگ بیٹھنا اور کھیت باڑی جب آئے تو ہمیں اُتار دینا -

بابو لعل - بہت خوب - ہو گئی بس؟ بیٹھئے -

نوجوان عورت مسکرائی، اٹھلاتی ہوئی آگے بڑھتی ہے اور خود گاڑی کا دروازہ کھول کر صدر میں بیٹھ جاتی ہے - بابو لعل بھی اس کے ساتھ ہی آتا ہے اور سامنے کے رُخ بیٹھ جاتا ہے - گاڑی چلنے لگتی ہے - مگر بد وضع آدمی کے دل میں جو اس وقت دھکڑ دھکڑ ہو رہی ہے، وہ قابلِ بیان ضرور ہے - کبھی تو یہ مستعد ہو جاتا ہے کہ دست درازی شروع ہی کر دے، کبھی رُعب حسن اس کے

ہاتھ پیروں کا نس کھینچ لیتا ہے اور یہ جلدی سے گردن جھکا کر دل ہی دل میں کہنے لگتا ہے۔ ہائے پری! ہائے یہ معشوق! ہائے ایسا چنچل صنم اس طرح مفت ہاتھ بھی آیا اور کوئی دس منٹ میں جہاں کھیت باڑی آئی کورا چلا بھی جائے گا۔ خدا جانے یہ کون ہے؟ بازاری عورت تو معلوم نہیں ہوتی۔ لیکن ہے بڑی بے باک چلتی ہوئی۔ اچھا تو پھر اسے روکوں کیونکر؟ اُف یہ صاف چلی گئی تو غضب ہی آگیا لاؤ دیکھوں کوئی فقرہ چلے تو۔

دل سے یہ باتیں کر کے اس نے حسین عورت سے مخاطب ہو کر کہا۔

"کیوں جی! آپ کھیت باڑی میں کہاں رہتی ہیں؟ کوئی کمرہ ہے؟ چال ہے؟ یا مکان؟

حسینہ۔ (اپنی پیاری پیاری ہنسی کی جھلک دکھا کر) کیوں؟ آپ کو غرض؟ کون؟ مطلب؟

بابولعل۔ مطلب غرض تو اگر آپ ہمیں قبول کریں گی جب ہی ہوگا لیکن مجھے اس پوچھنے سے یہ فائدہ تھا کہ اگر آپ ٹھیک ٹھیک پتہ دے دیں گی تو شاید میں بھی کبھی حاضر ہوں آپ کی خدمت میں۔

حسینہ - پتہ؟ اجی بس پتہ سے تو مُنہ دھو رکھئیے آپ اور مجھ تک پھر پہنچ سکیں تو بہ تو بہ - کیا کوئی زنڈی منڈی سمجھا ہے مجھے - لو اور سنو یہ میرے گھر میں آئیں گے مجھ سے ملنے - عقل کے ناخن لو ناخن -

بابو لعل - (حیران ہو کر) تمہیں اپنی صورت، اس رسیلی آواز کی قسم - کیا تم گھر ست ہو کوئی؟ ہائے میں کیونکہ کہوں میں نے تو یہ آواز پہلے بھی کبھی سنی ہے -

اس کے اس فقرہ نے کہ "یہ آواز ...... الخ" حسین عورت کے دل پر خدا جانے کیوں ایسا اثر کیا کہ دفعتاً اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا - لیکن متین اور چالاک پری چہرہ نے پھر اپنے تیور بدل کر جواب دیا -

حسینہ - اللہ اللہ - اب یہ نخرے پلیٹھ گئے؟ تم نے اور میری آواز کہیں سنی ہے پہلے - چہ خوش - خواب میں سنی ہو گی - خواب میں بھی تو تمہاری شکل سے بھی واقف نہیں - ہمارے تو ابا سوداگر ہیں - ہم تو دن رات میں کبھی گھر سے باہر ہی نہیں نکلتے قسم لے لو چاہے - ہے ہے آج دیکھئے کیا ہوتا ہے - کم بخت جانے کونسی گھڑی سے میں انا کی بیٹی کے ساتھ نکلی تھی کہ ایک بجنے کو آ گیا - ابھی تک گھر میں گھسنا نہیں

نصیب ہوا۔ آج تو ابّا جان مجھے جیتی ہی کو کھا جائیں گے اور امّاں کا تو جانے اس وقت تک کیا حال ہوا ہو گا۔ ہائے میرے اللہ میں کیا کروں؟ بھئی ہمیں جلدی پہنچا دو گھر۔

ان فقروں کو ایک نئے انداز سے ادا کر کے بہ رو نکھی سی ہو جاتی ہے۔

بابو لعل۔ (دلاسا دینے کی غرض سے) واہ۔ لو اور سنو۔ ہراساں کیوں ہوتی ہو۔ ابھی چٹکی بجاتے میں اپنی بیگم کو گھر پہنچائے دیتے ہیں۔ لیکن تم اتنی رات گئے نکل کیونکر آئیں؟ یہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

حسینہ۔ (انہی غمگین تیوروں سے) بھئی کیا بتاؤں۔ خدا کی مار اور کیا؟ ہمارے ہاں ایک انّا نوکر ہے۔ اس کی بیٹی جو ہے نصیبن۔ بس اس کا ہمارا بہناپا ہے۔ آج شاموں شام میں اور انّا اور نصیبن تینوں امّاں سے پوچھ کر ان کے گھر۔ یہاں یہ دیکھو کیا کہلاتا ہے۔ اے ہے لو بھولی ہی جاتی ہوں۔ غرض ہاں وہاں چلی آئی۔ خوب کھیلتے ویلتے رہے۔ گیت وبت گایا کئے۔ اے اتنے میں رات زیادہ آ گئی۔ اس وقت میں نے کہا نصیبن! چل ہمیں گاڑی کرایہ کر کے گھر پہنچا آ۔ وہ لگی باتیں بنانے۔ اب کہاں جاؤ گی۔ اے یہیں سو رہو۔ کچھ تمہارے ابّا مار تھوڑا

ہی ڈالیں گے۔ ہمارے ہاں سونے پہننے میں تھوڑا ہی کچھ بُرائی ہے۔ میں نے کہا۔ نہیں نہیں۔ ہمیں تو گھر ہی پہنچا دو۔ امّاں جڑی خدا جانے کہیں محلے میں نکل گئی تھی۔ نصیبن نے میری ایک نہ سُنی اور لگی اُلٹا ان گھاٹیاں بتانے۔ ذرا ٹھہر جاؤ۔ چلی جانا۔ ابّا آتے ہوں گے۔ ان ہی کے ساتھ چلی جانا۔ مجھے تھی جلدی اور دوسرے ابّا جان کا ڈر۔ آخر میں نے کہا۔ بھئی تمھیں ہمیں پہنچانا ہو تو پہنچا دو نہیں ہم آپ چلے جائیں گے۔

اے بس میرا تو اتنا کہنا کہ بی نصیبن کہاں تھیں۔ پھر لگیں ایک ایک مُنہ میں ہزار ہزار سُنانے۔ اے واہ ایسی ہوتیں تو عید کے دن کام آتیں۔ بُوا یہ ہمیں غریب لوگ ہیں کہ کسی کے پابند نہیں، کسی کے محتاج نہیں۔ جہاں چاہیں ابھی اُٹھ کھڑے ہوں اور چلے جائیں۔ تم ٹھہریں امیر تمھیں دو پیسہ ڈولی جانے کے لیے بھی ہزار ہزار نخرے چاہییں۔ چلی جانا ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ اور صبر کرو ذرا۔ کہہ تو دیا کہ ابھی امّاں آتی جاتی ہیں چلی جانا، چلی جانا۔ تو یہ ہمارے پاس اب ذرا کی ذرا بیٹھنا بھی زہر معلوم ہونے لگا۔

مجھے یہ طعنے تشنے بُرے معلوم ہوئے۔ میں نے ایک کہی نہ دو۔ سیدھی جُوتی پہن دروازہ کھول یہ جا وہ جا۔ وہ بھی میرے پیچھے ہی بھاگی۔ میں جلدی سے ایک کونے میں چھپ گئی۔ وہ بہتیرا جی پیٹتی ڈھونڈتی پھری۔ ان

کی اماں بھی آئیں - باوا بھی آئے غرض سب ہی نے ڈھونڈا بھالا سینکڑوں آوازیں دیں بھلا میں اپنی ضد کی پوری، میں کب ان کے ہاتھ آتی تھی؟

بس جب وہ سب بچے سب پیٹ پاٹ کے اِدھر اُدھر ہو گئے، میں بھی وہاں سے نکل آئی - گلیوں میں سے سڑک پر جا کر پوچھتی پوچھتی یہاں تک آ گئی تھی - رستے میں بہتیرا چاہا کہ کم بخت آگ لگنی کوئی گاڑی ملے مگر کسی طرح نہ ملی - آخر یہاں تھک کر کھڑی ہو گئی تھی کہ اتنے میں یہ تمھاری گاڑی آتی ہوئی دکھائی دی اور تم اللہ مارے کہیں سے مل گئے (مسکرا دی)

نوخیز، فتنہ قامت، حور چہرہ لڑکی کے تبسم میں اس قیامت کا اثر تھا کہ بابو لعل کا دل بالکل ہاتھ سے جاتا رہا اور اس کی من گھڑت داستان کو اس نے بالکل صحیح سمجھ لیا - بلکہ معاً اس فکر میں ہو گیا کہ کسی طرح اس سونے کی چڑیا کو اپنے جال میں پھانس لے - یہ لالچ بھرے خیال تھے جو فوراً بدچوان ہو کر اس نے گجراتی زبان میں گاڑی والے سے گرانڈ روڈ پہنچ کر الفنسٹن تھیٹر کے باہر ایک شراب خانہ کے سامنے جا کر ٹھہر جانے کو کہا - اور یہ صرف اس لیے غیر زبان میں کہا گیا کہ یہ بے چاری گھر کی بیٹھنے والی ایک ہندوستانی بھولی بھالی لڑکی ہے - یہ کیا سمجھے گی - مگر وہ ایک علامہ تھی اس نے سن بھی لیا اور سمجھ بھی گئی اور مصلحتاً چپکی ہو رہی - گاڑی بہت تیز

چلنے لگی۔ آناً فاناً ہیں کھیت باڑی سے گزرتی ہوئی گرانڈ روڈ آئی
اور وہاں سے مڑتی ہوئی جھٹ ایک شراب خانہ کے دروازہ پر ٹھہرا
دی گئی۔

ٹھہرتے ہی بابو لعل اُتر پڑا اور وسکی کی ایک فل بوتل (پوری
بوتل) معہ گزک کے جلدی سے خرید لی۔ اُلٹے ہی پاؤں گاڑی میں
جا بیٹھا اور کوچ مین سے بہت تیز کوئین پارک (ملکہ کے باغ) واپس
جانے کو کہا۔ (اسے رانی کا باغ بھی کہتے ہیں)۔

حسینہ۔ (اس کی سب باتیں سمجھ کر) کیوں صاحب! یہ آپ اپنی بولی میں
ہمیں گالیاں دے رہے ہیں۔ یہ ہے کیا اور یہ گاڑی میں سے اُتر کر
نارنگیاں اور یہ بوتل کیسی لائے ہو؟ ہاں ہاں میں سمجھ گئی۔ بس وہی
جو مجھے ڈر تھا وہی ہوا نا آخر؟ باندھ لی نا نہ تم نے حرام زدگی پہ کمر۔
سچ بتاؤ یہ کیا ہے؟

بابو لعل۔ (مسکرا کر) نہیں نہیں میری نسبت آپ ایسا خیال نہ کریں۔ میں
آپ کا تابعدار ......

حسینہ۔ (بات کاٹ کر) یہ میں نہیں پوچھتی۔ میں تو یہ کہتی ہوں یہ بوتل کیوں
لائے ہو تم۔ اس میں وہی نگوڑی شراب ہے نا؟

بابو لعل - اوّل تو ہے نہیں اور اگر ہے تو تمہیں کیا؟ تمہارے لیے تو میری جان، میرا مال (جیب میں سے روپیہ کھنکا دیتا ہے) یہ حاضر ہے تمہیں شراب سے کیا؟

حسینہ - پڑے چولھے میں تمہارے روپے - واہ! جو ہماری چھوڑ وہ آپ کی ایسی - ہم نہیں جانتے جی - تم ہمیں ہمارے گھر پہنچا دو - بس، اب وہ ایسی نگوڑی کتنی دُور رہ گئی کھیت باڑی تو یہ چلتے چلتے آندھ آگئی مگر وہ آگ لگی کسی طرح نہیں آچکتی -

بابو لعل - (پھسلانے کی غرض سے) بس اب آئی کہ آئی - یہی کوئی بیس قدم ہوگی یہاں سے - اب پہنچے - یہ کہہ کر اس نے جلدی سے پیچ کش اپنی جیب میں سے نکالا اور بوتل کا کاگ کھینچ لیا - کاگ کا نکلنا تھا کہ اسپرٹ کی بو تمام گاڑی میں بس گئی -

حسینہ - (ساڑی کا آنچل ناک پر رکھ کر بہت ہی بے باکی سے) ہے ہے تجھے خدا کی مار - کلموے نے بیٹھنا بھی دشوار کر دیا - جبھی گاڑی تھمو دو اور ہم اُتر جائیں - جب زہر مار کرنا -

بابو لعل - (ہاتھ جوڑ کر) بس بس اب بو نہیں آئے گی اور میں بوتل ادھر ہٹائے لیتا ہوں - لیکن .....

حسینہ۔ (جلدی سے ہاتھ بڑھا کر بوتل اس کے ہاتھ سے چھین لیتی ہے) لیکن

کیا؟ میں ابھی اس تھنکاری کو باہر پھینکے دیتی ہوں۔ دیکھو۔

بابولعل۔ خدا کے لیے ایسا غضب بھی نہ کرنا۔ ابھی تو میں نے اس میں

سے ایک بوند بھی نہیں پی۔ لو لاؤ دے دو۔ پھر تمہیں بُو آئے گی

تو پھینک دینا۔

حسینہ۔ (بوتل کو دونوں ہاتھوں سے خوب مضبوط تھام کر) نہیں صاحب!

میں تو اس موئی کو پھینک ہی کے رہوں گی۔ ہاں ہاں تم نے کیوں

لی یہ؟ تم نے کیوں ہماری مرضی کے خلاف کیا؟ ہم نے تو تم سے

وہیں کہہ دیا تھا کہ تم شراب نہ پینا۔

بابولعل۔ اچھا صاحب! خطا ہوئی۔ جانے دیجیے۔ لائیے مجھے دے دیجیے

میں خود پھینکے دیتا ہوں۔ جو آپ کی خوشی۔ لیجیے آپ نارنگیاں کھائیے

اور وہ بوتل مجھے عنایت ہو۔

حسینہ۔ واہ وا۔ کیا خوب۔ کیوں آپ کو کیوں دے دوں؟ کیا مجھے

پھینکنی نہیں آتی؟

یہ کہہ کر دکھانے کو کھڑکی میں سے مع بوتل دونوں ہاتھ نکال کر

پھینکنے لگتی ہے۔ اور ساتھ ہی بے چین بدمعاش آدمی کا ہاتھ بھی بہت

ہی پھُرتی سے بوتل بچانے کے لیے بڑھ جاتا ہے۔ اس جلدی اور دو طرفہ کوشش میں ایک کو دوسرے کا خیال نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ کسی کے اُبھرے ہوئے جوبن کسی کے سینے میں چُبھ ہی جاتے ہیں اور بے قرار ہو کر اپنی جگہ پر کوئی گر بھی پڑتا ہے۔

بابو لعل۔ ہائے اُف۔ مر گئے ہم تو۔

حسینہ۔ (بات ٹال کر) کیوں چھینتے نہیں؟ بس چھین چکے؟ قسم ہے اب کے ذرا تم نے ضد کی یا چھینا جھپٹی شروع کی اور میں نے اسے بیچ سڑک میں پھینک دیا۔

بابو لعل جو ہوس کا پتلا بن چکا تھا بے اختیار اس کے گلے میں باہیں ڈال دینی چاہتا ہے۔

حسینہ۔ (جلدی سے اس کے ہاتھ جھٹک کر برے تیوروں سے) ہٹو تو سہی پرے سے واہ! دیا ٹھیکرے میں لگے ساتھ کھانے۔ آدمیت بھی ہے کچھ۔ سیدھے ہو کے بیٹھو۔ قاعدے سے (پھر ذرا مسکرا دی اور پھر کہنے لگی) بڑے پینے والے آئے کہیں کے۔ لاؤ تو گلاس میں آپ تمھیں پلاتی ہوں۔ دیکھوں تو کتنی پیتے ہو۔

اب کیا تھا۔ یہ فقرے گویا مژدۂ کامرانی تھے۔ مکار آدمی یا تو اس

کے کشیدہ خاطر ہونے سے بہت ہی جز بز ہو گیا تھا یا اس غیر معمولی التفات پر پھر باچھیں کھل گئیں اور رعبیدہ ہو گئی ۔

گناہ بھی ہے تو لذتوں سے مزے سے گزرے جو دم غنیمت
پلائے مے جب کہ تم سا مہ رو عذاب کیسا ثواب کیسا ؟

یہ شعر پڑھ کر اس نے جھٹ پاکٹ میں سے ایک بلوری خوبصورت سا گلاس نکال کر مہ جبین کے حوالہ کیا اور اس نے بھی پورے انداز سے بھر کر اپنی نشیلی انکھڑیوں پر سے صدقے کر کے اس کے منہ سے لگا دیا ۔

اب بھلا کیا طاقت تھی بابو لعل کی جو نہ پیتا ۔ بہت ہی خوشی سے بے غل وغش غٹ غٹ سب چڑھا گیا ۔ ادھر تو اس نے گلاس خالی کیا اور اُدھر یہ آفت کی پرکالہ نازنین طفلانہ اداؤں سے تالیاں بجا بجا کر کہنے لگی ۔

حسینہ ۔ آہا جی ۔ ہم نے تو اسے شراب پلا دی ۔ آہا جی ! اب یہ موا گنہگار ہو گیا ۔ اوہو جی ۔ اب اسے اللہ میاں کے ہاں جا کر خوب زور زور سے جوتے پڑیں گے ۔

یہاں تو یہ خوش فعلیاں ہو رہی ہیں اور وہاں آنکھوں میں

ڈورے آتے ہی بابو لعل بہادر اس شعر کو مزے لے لے کے رٹ رہے ہیں ؎

اچھے اچھوں کو بھی بے چین بنا دیتی ہیں
گالیاں قند مکرر کا مزہ دیتی ہیں

شراب کا قاعدہ ہے جہاں اسے منہ سے لگایا اور وہ گنی چوگنی لے بڑھی۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں بابو لعل نے پھر استغاثہ شروع کر دیا اور پیارے اور جان اور ایک گلاس اپنی آنکھوں کا صدقہ۔ اپنی صندلی کلائی کا واسطہ۔ ایک ساغر اور بھی ڈھلکا دے۔

حسینہ ۔ اے اوئی ۔ پیاری ویاری ہوں گی کوئی تمھاری اماں بہن۔ مجھ سے تم سیدھی طرح باتیں کرو۔ خدا کی مار اس گاڑی وان کو۔ موئے کو جانے کس رستے سے لایا ہے کہ ابھی تک ہمارا گھر ہی نہیں آچکتا کسی طرح پر۔

بابو لعل ۔ (منتیں کر کے) میری جان! میری بیگم! ایک گلاس اور دیدے بس پھر میں تیرے گھر ابھی......

حسینہ ۔ پھر وہی جان وان لگائی ہے کہیں کی۔ بھئی اب ایسی باتیں کرو گے تو ہم اُتر پڑیں گے۔ واہ۔ بڑا لچار آیا ہے کہیں سے۔

بابو لعل ۔ اچھی ۔ اللہ ۔ ایک گلاس اور بلکہ کتنا اچھا ہو جو اب کے تم بھی ہمارے ساتھ شریک ہو جاؤ ۔

حسینہ ۔ (بالکل ہی تبر ہو کر) ڈر موئے تجھے خدا کی مار ۔ میں کیوں پینے لگی تھی ۔ ہے ہے تیری خاطر سے جو میں نے اس ٹھنکاری کو ہاتھ لگایا ہے تُو تو اور سر پر چڑھ گیا ۔ لگا پیر پھیلانے ۔ اچھا ٹھہر جاؤ ۔

یہ کہہ کے اس نے زور سے آواز دی ۔

او گاڑی والے ! او گاڑی والے ۔ تھمالے گاڑی ۔ ہم اُتریں گے اب ۔

بابو لعل ۔ (بڑی ہی لجاجت سے ہاتھ جوڑ کر) اچھا نہیں نہیں ۔ اچھا رہنے دو ۔ خدا کے لیے تم ہرگز نہ پیو ۔ میں اب تمھیں پینے کو کہوں تو جو چور کا حال وہ میرا حال ۔ میری بیگم ! میری مِس ! بس اب تو خطا معاف کرو ۔ اب ایسا قصور کبھی نہیں ہونے کا مجھے تو اپنے پیارے پیارے ہاتھوں سے پلا دو یا مجھے بھی نہیں پلاؤ گی ؟ دیکھو تمھیں نے تو پہلے کہا تھا ۔

حسینہ اپنا جادو پورے طور سے چلتا ہوا دیکھ کر پھر بیٹھ جاتی

ہے اور مسکرا مسکرا کر ایک لبریز ساغر ڈھلکا دیتی ہے جیسے یہ مستِ بادۂ غفلت بہت ہی مدہوشی سے بہت ہی بے تکلف کسی کے تیغِ ستم کا گھائل ہو کہ ایک سانس میں پی جاتا ہے۔ اور جھوم جھوم کے اس شعر کا وظیفہ شروع کر دیتا ہے ؎

زاہد شراب ناب کی تاثیر کچھ نہ پوچھ
اکسیر تھی کہ حلق سے نیچے اُتر گئی

اِدھر گلاس حلق سے اُترا، اُدھر ٹھنڈی ہوائیں اسے اور بھی لے اُبھریں آنکھوں میں سرسوں پھولنی شروع ہو گئی کبھی کوئی تمنا گدگداتی تھی۔ کبھی کوئی ارمان کلیجہ میں چٹکیاں لیتا تھا۔ جوں جوں اس کی آنکھیں چڑھتی جاتی تھیں شاطر عورت کے چہرہ پر خوشی کے آثار جھلکتے جاتے تھے یہاں تک کہ پہنچتے پہنچتے اس نے تیسرا دور بھی اپنے دلدادہ کو پلا دیا اور یہ تقریباً نصف بوتل شراب تھی جو تین دفعہ کر کے اس تمام دنیا کو لوٹنے والے جفا کار دغا پیشہ کے حلق میں اُلٹ دی گئی اور جس سے اب اس کی یہ نوبت ہے کہ بجز بے مستی اور کچھ نہیں دکھائی دیتا۔ آنکھیں ہیں وہ کسی کے پھول سے رخساروں پر مٹی ہوئی ہیں۔ ہاتھ ہیں وہ بے اختیار کسی کو اپنی آغوش میں کھینچنے کے لیے بڑھے جاتے ہیں۔ دل ہے وہ

سینے میں بڑے طرح بے چین ہے کہ کسی طرح کسی کو جلد کلیجے سے لگا لیا جائے۔ کلیجہ ہے وہ ہاتھوں اچھل رہا ہے کہ اور کچھ نہیں تو کسی کا نرم، مخمل سے زیادہ ملائم ہاتھ ہی مجھ پر رکھ لیا جائے۔ ہائے۔

خواہش کا نام عشق، نمائش کا نام حُسن
اہلِ ہوس نے دونوں کی مٹی خراب کی

غرض یہاں تک اب یہ بے خود ہو چلا ہے کہ بے اختیار نوجوان عورت کے گلے کا ہار ہُوا ہی چاہتا ہے۔

حسینہ۔ (خفا ہو کر نہیں بلکہ کسی قدر متبسم ہو کر اس کے دونوں ہاتھ پھر جھٹک دیتی ہے اور کہتی ہے) چل موئے غارتی! ہٹ پرے۔ اپنی اوقات سے رہ۔ اوقات سے دیکھ پھر تو جانتا ہے میں سیدھی اُتر کے چلی جاؤں گی۔ نہیں تو آدمیت سے بیٹھا رہ۔ اپنی شراب پئے جا۔ اس وقت تو کم بخت تو نشے میں مجھے بھی اچھا معلوم ہوتا ہے غضبی! تجھے خدا ہی کی ہو۔ لو بے ایمان نے بیٹھے بٹھائے مجھے بھی پاگل بنا دیا۔

بابو لعل۔ (خوشی کے مارے پھول کر ڈرتے ڈرتے) اچھا تو اک۔

حسینہ۔ (اس کا مطلب سمجھ کر) اوہو۔ اپنا مُنہ تو دیکھو ذرا۔ یہ مُنہ اور

گلاب کا پھول۔ میں تو یوں ہی تیرا دل دیکھتی تھی۔ ناس پیٹے! آہا آہا۔
واہ رے لشنہ باز! اس وقت دیکھے کوئی صورت آپ کی!
بابو لعل۔ (ہاتھ جوڑ کر) للہ مان جاؤ پری! او چاند سے زیادہ روشن رخساروں والی دیوی! اپنی جوانی کا صدقہ، اپنی ان بھینی بھینی نگاہوں کا واسطہ۔ ایک ....
اتنا کہا اور لگا یہ پیروں پہ سر رکھنے۔ اب بہتیرا ہزار ہزار جتن سے خفا ہو کر، ہنس کر، میٹھی میٹھی باتوں سے یہ اپنا پیچھا چھڑانا چاہتی ہے، لیکن وہ سیہ مست ایسا پھیلا ہے اب کہ کسی طرح سامان ہی میں نہیں آتا۔ قریب تھا کہ نوجوان عورت اپنی عصمت بچانے کی خاطر یا تو اس پر قاتلانہ حملہ کرے اور یا چلتی گاڑی کا دروازہ کھول فوراً نیچے اُتر جائے جو دفعتاً کوئین پارک دکھائی دینے لگا اور حسین عورت نے اس سے یوں کہنا شروع کر دیا۔
"اچھا سنو تو سہی۔ تم ٹھہرو تو۔ ذرا ٹھہرو۔ دیکھو یہ باغ کیسا آگیا ہائے کیا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا آتی ہے لو اچھا اس میں اُتر چلو۔ وہاں جو تم کہو گے میں مان لوں گی، بس اب ہٹ کے بیٹھ جاؤ۔ اپنی جگہ پر سیدھی طرح سے۔

بابولعل - باغ - کون باغ (آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھنے کے بعد) ہاں ہاں - ٹھیک ٹھیک - اچھا منظور - بے شک -

گاڑی دروازہ پر جا ٹھہرتی ہے اور دروازہ کھلتے ہی یہ اس حسین عورت کا ہاتھ زور سے پکڑے ہوئے اُتر پڑتا ہے اور وہ بھی اپنے سینے پر سے ڈھل جاتی ہوئی ساڑھی کو دوسرے ہاتھ سے سنبھالتی ہوئی "ٹھمو تو ٹھمو تو" کرتی ہوئی گاڑی سے نیچے کو کُود پڑتی ہے -

کوچبین - کیوں سیٹھ! گاڑی ابھی ٹھہرے گی یا دام ملے گا؟

بابولعل - ٹھہرو - ابھی ٹھہرو - تھوڑی دیر میں ہم پھر جانا مانگتا ہے -

یہ کہتا ہوا اور اس حسین عورت کو زبردستی گھسیٹتا ہوا یہ باغ کا قفل اپنی کنجی سے بہ مشکل کھول کر بے کھٹکے اندر چلا جاتا ہے - مارے نشے کے آگے کا پیر پیچھے اور پیچھے کا پیر آگے پڑ رہا ہے - قدم قدم پر اس کے لڑکھڑانے سے نوجوان عورت کو اس کے ساتھ اپنے بھی کہیں نہ کہیں گر جانے کا احتمال ہوتا ہے اور وہ اس سے بہتیرا ہاتھ چھڑانا چاہتی ہے مگر یہ بدمست کسی طرح نہیں چھوڑتا اور سیدھا اسی بے ترتیب چال سے ایک بنچ پر جا گرتا ہے -

اس وقت رات کا کوئی ڈیڑھ بج چکا ہے - باغ میں بالکل سناٹا

ہے۔ کبھی کبھی کوئی ایک آدھ جانور اپنے آشیانے میں سے بول اٹھتا ہے تو بول اٹھتا ہے ورنہ سوائے رات سائیں سائیں کرنے کے اور کچھ نہیں۔ ہوا کی تیز سرسراہٹ سے کوئی پھل پھول جو ٹوٹ کر گر پڑتا ہے تو ایک بھیانک سی آواز کان میں آجاتی ہے۔ روشنی جو صرف تاروں کی چھاؤں اور پیارے پیارے چاند کی برکت ہے، لبِ آب سبزہ کا عالم اور بھی دوبالا کئے دیتی ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس وقت تمام چیزیں عالمِ موجودات میں ساکن ہیں لیکن نہر کا صاف شفاف پانی ہلکی ہلکی لہریں لیتا ہوا مستانہ وار اِدھر کا اُدھر اور اُدھر کا اِدھر باغ کے سبزہ پر ایلا گیلا پھر رہا ہے جہاں زیادہ نشیب ہے اور اس سیال چیز کے پاؤں زیادہ جم گئے ہیں وہاں کی ہر پتی پتی گویا زبانِ حال سے یہ کہتی معلوم ہو رہی ہے ؎

پا بر سر سبزہ ہا بخواری منہی [1]

کیں سبزہ زخاک لالہ روئے رست است

بابولعل ایسے سمے میں بھلا کب چین سے بیٹھ سکتا تھا ؎

---

[1] اے چاند! تو سبزے پر اپنے پاؤں بڑی بے دردی سے رکھ رہا ہے حالانکہ یہ سبزہ کسی لالہ رخسار کی مٹی سے اُگا ہوا ہے۔ (قریشی)

فصلِ بہار اور گلستانوں میں ہم
جوشِ جنوں سے اُڑ چلے جولانیوں میں ہم

چاہتا تھا کہ پھر کچھ شرارت کرے، چھیڑے، گدگدائے جو ہوشمند عورت نے اس کے چہرہ سے اس کا ایما سمجھ کر ایکا ایکی چلانا شروع کر دیا۔

"ہائے میرا ہاتھ دب گیا۔ ائے میں مری"

بابو لعل۔ (نشے میں ذرا ہوش کی لے کر) ہائیں کدھر؟ اُف بُرا ہوا دو بھی مجھے دکھائی نہ دیا ہوگا۔ دیکھوں دیکھوں۔ زیادہ تو نہیں دب گیا۔ اُف معاف کرنا پیاری۔

حسینہ۔ اجی ہٹو بھی۔ تم نے تو بس ذرا سی پی لی اور اندھے ہو گئے۔ (بہانہ سے اپنا نازک ہاتھ دوسرے ہاتھ سے دبا کر) توبہ نگوڑی انگلیوں کا چورا کر دیا۔ خدا جانے نگوڑا کہاں کا گاؤدی ہے۔ کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا۔

بابو لعل۔ تو کنبہ بھی جڑے کہیں۔ تم تو ہمیں حلال خور سے بھی بدتر سمجھتی ہو ہاتھ تک تو لگانے نہیں دیتیں (پھر آگے بڑھنے لگتا ہے)

حسینہ۔ یہ دیکھو یہ دیکھو۔ پھر وہی بوکھلاہٹ، وہی دیوانہ پن۔ اچھی میں کہتی ہوں۔ تم جو اتنا مجھ پر پل پل کر بڑھے چلے آتے ہو آخر کبھی کچھ دے کر

بھول گئے ہو؟ کبھی کی میری تمہاری پہچان ہے؟ مجھے کوئی کسبی سمجھا ہے؟ خواہ مخواہ گلے پڑتے ہو۔ اسے جانتے ہیں کہ موئے ڈیڑھ چلو میں الّو بن گئے ہو۔ مگر ذرا تو صبر بھی چاہیئے۔ ذرا ٹک کے بیٹھو۔ کچھ اپنی کہو کچھ میری سُنو۔ میں بھی تو سُن لوں تم کس باغ کے بتھوے ہو۔ کہاں رہتے ہو۔ کیا کام کرتے ہو؟ آخر اب ہو گئے تو تمہارا ہی رہنا ہے کیونکہ تم نے مجھے دھوکا دیا۔ یہ کہاں کا کہاں لے آئے اب گھر جانے کے قابل تو میں رہی ہی نہیں۔ کہاں یہ باغ کہاں کھیت باڑی۔ پھر اب میں تو اپنی دل جمعی کر لوں۔ سُنیئے صاحب اچھا ہے اس کان سُنو چاہے اُس کان۔ اوّل تو مجھے اپنی سچی سچی بود و باش اپنے روزگار، کام کاج سے خبردار کیجئے کہ میرا دل ٹھکے اور اس کے بعد نکاح ہونے تک مجھے ہاتھ نہ لگانے کا پکا وعدہ کیجئے۔ جب تو میں آپ کے پاس اس وقت بیٹھی ہوں اور نہیں تو ابھی میں یہیں سے غُل مچانا شروع کرتی ہوں۔ کوئی نہ کوئی اللہ کا پیارا میری غریب کی فریاد کو پہنچ ہی جائیگا۔

یہ کہہ کے یہ کچھ ایسی غمگین اور دکھی ہو کر نیچے گردن کر کے ہو بیٹھتی ہے کہ بے اختیار۔

بابو لعل۔ اچھا اچھا تم ہراساں نہ ہو بیگم! تم روؤ نہیں۔ میں تمہیں جس وقت

تک تمہاری اجازت نہ ہوگی کبھی نہیں چھیڑنے کا۔ جو کچھ پوچھنا ہے
تم مجھ سے شوق سے پوچھو۔ میں ابھی آتا ۔۔۔۔۔ (کو چمین آگیا اور بچی
ہوئی شراب کی بوتل معہ گلاس دے کر چلا گیا)

حسینہ ۔ (جھوٹ موٹ آنسو پونچھ کر بناوٹ سے) دیکھو تو سہی ان باتوں
سے میں خوش ہوتی ہوں تمہاری ۔ آدمی ہی کیا وہ جس میں رحم نہ ہو۔
میاں ہم تمہیں اپنی آبرو دیں گے تو پہلے تمہیں بھی جانچ لیں گے کہ
تم کتنے پانی میں ہو ۔ شادی کر لینا آسان تھوڑا ہے جناب ۔ بعد میں
قلعی کھلتی ہے ۔ لاؤ شراب کی بوتل میں تمہیں اور ذرا سی پلا دوں ۔

(بوتل اٹھا لیتی ہے اور گلاس بھرنے لگتی ہے)

بابو لعل ۔ بس جان !! اب بس کرو ۔ اب ہم سے نہیں پی جائے گی ۔ پہلے
ہی بہت نشہ ہے ۔ یہ پھر زیادہ ہو گیا اور بے ہوش ہو گئے تو کس کام ؟

حسینہ ۔ (دل میں) اللہ کرے تجھے جلدی موت آئے کہیں ۔ (ظاہرا) واہ۔
تم تو رات دن کے پینے والے ہو ۔ بھلا تم لوگوں کو کیا اثر ہو سکتا ہے ۔
ہم تو اس لیے کہتے ہیں کہ جوں جوں نشہ ہوتا ہے ہمیں تمہاری آنکھیں
بڑی اچھی معلوم ہوتی ہیں ۔

بابو لعل ۔ (فرط خوشی سے بے قابو ہو کر) تمہارے اس کہنے کے بھی صدقے ۔

پیاری! بھلا ہم کیا اور ہماری آنکھیں کیا۔ ماشاء اللہ تم ہو جو کچھ ہو۔ ہائے اگر ذرا سی بھی کہیں تم پی لیتیں تو یہ جادو بھری آنکھیں گلابی گلابی ہو کر اور بھی قیامت ڈھاتیں۔ ہائے کیا کہا ہے کسی نے ؎

مردم دیدہ تک شرابی ہو
آنکھ پیدا ہو تو گلابی ہو

حسینہ ۔ تو پی لیں گے کبھی جب ہماری تمہاری میزان پٹ جائے گی لیکن صاحب اچھی طرح سُن لو۔ ہم تو پہلے نکاح کریں گے نکاح۔

بابو لعل ۔ (مسکرا کر) اللہ رے تمہارا بھولا پن۔ ظالم ان ہی سادگیوں نے تو مار ڈالا ہے مجھے اد کافر! میں مسلمان تھوڑا ہی ہوں جو نکاح ہوگا۔ میں تو ہندو ہوں ہندو۔

حسینہ ۔ ہے ہے۔ میری شامت۔ واہ ری تقدیر۔ خیر تو شادی تو تم لوگوں میں بھی ہوتی ہے۔ شادی ہی سہی۔ میں چاہتی ہوں نکاح ہو یا شادی غرض چار آدمیوں کے سامنے تم مجھے سہرا باندھ کر اپنے گھر لے جاؤ، کہ خدا نخواستہ خدا نخواستہ خاک میرے مُنہ میں بعد میں کبھی ایسی ویسی ہو اور تم مجھے چھوڑ چھاڑ بیٹھو تو میں کچہری عدالت کر کے تم سے روٹی کپڑا تو لے لوں۔

بابو لعل - جس کی آنکھوں میں ابھی سے شادی رچانے کا سامان پھرنے
لگا تھا، اللہ وہ دن نہ دکھائے مگر پیاری! بڑی پخ لگائی ہے یہ
تم نے - اس طرح تو ہم انتظار ہی انتظار میں مر جائیں گے -

حسینہ - (شوخی سے) تو نہ کیا منہ کا نوالہ سمجھا ہے؟ دنیا کا قاعدہ ہے
سب ٹھنڈا کر کے کھاتے ہیں - یہ جنم جلے ایسے ہیں کہ منہ جلے یا زبان
چاہے پیٹ میں آگ ہی کیوں نہ لگ جائے گرم گرم کھانے کو
مستعد ہوئے جاتے ہیں سبحان اللہ - (یہ کہہ کے اس نے ایک عجیب
محبّت آمیز انداز سے بدمعاش آدمی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا)
اچھا نواب میں جو کچھ پوچھوں گی تم سچ سچ بتاؤ گے نا؟ اپنے دھرم
دھرم سے؟

بابو لعل - (نشیلی آنکھوں کو خوب دونوں دونوں ہاتھوں سے مل کر) ہاں
ہاں - برابر - کہو -

حسینہ - اچھا کھاؤ تو قسم -

بابو لعل - اجی - قسم کا یہاں کیا ذکر ہے - بھلا میں اور تم سے جھوٹ بولوں -

حسینہ - مجھے کیونکر اعتبار ہو کہ تم سچ کہو گے؟

بابو لعل - واہ - تو کیا قسم ہی سے اعتبار ہے اور جو میں قسم کھا کر بھی تم

سے جھوٹ بولوں تو پھر؟

حسینہ ۔ ہے ہے تیرا ستیاناس ۔ جائیے ۔ تو بس اندھیر ہو گیا ۔ اچھا صاحب! بلا سے آپ قسم تو کھائیے ۔ اپنی گنگا جی کی! بس پھر تمہارا ایمان ہم تو سیدھے سادے آدمی ہیں ۔ بلا سے قسم کھلوا کے تمہارا ایمان تو لے لیں گے اور کچھ نہیں تو ۔

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا

جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا

بابو لعل ۔ (تڑپ کر) صدقے اس سیدھے سادے پن اور قربان اس انوکھے پن کے ۔ ہائے کیا بے جھنگی ہے زبان میں ، لیکن پھر میں کہوں گا تو تم خفا ہو گی ۔ بھلا قسم کھلوانے سے تو جب کوئی فائدہ ہو جب میں تم سے کوئی بات جھوٹ کہوں ۔

حسینہ ۔ کیا تعجب ہے؟

بابو لعل ۔ اچھا تو تم دریافت تو کرو ۔ میں جانوں میرا پرمیشر میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا ۔

حسینہ ۔ نہیں صاحب قسم کھاؤ پہلے جب کہوں گی میں ۔ توبہ اللہ ۔ ہماری ذرا سی بات تو تم نہیں مانتے تو ہمیں کیا غرض پڑی ہے کہ ہم آپ کا

کوئی کہنا مانیں گے ۔

بابو لعل ۔ (تھوڑی دیر خاموش ہو کر دل ہی دل میں اس کے آئندہ سوال یا دریافت طلب باتوں کا اندازہ کرتا ہے مگر بجز معمولی گفت و شنید اور پرسش کے اور کچھ نہیں سمجھ سکتا ۔ آخر تنگ آکر پھر کہہ دیتا ہے) ہاں صاحب ! تو میں قسم ہی کھاؤں ، جب ہی آپ کو اعتبار ہوگا ۔ جان ! نہ کھلوا قسم ۔ اس میں تجھے کوئی فائدہ نہ ہوگا ۔

(اس کی ٹھوڑی میں منّت سے ہاتھ لگاتا ہے)

حسینہ ۔ نہیں صاحب ! قسم کھائیے ۔ بے شک ورنہ کبھی نہیں میں کبھی نہیں ماننے کی ۔ اچھا تو لو میں جاتی ہوں (اُٹھ کھڑی ہوتی ہے)

بابو لعل ۔ (اس کی دونوں کلائیاں تھام کر) بیٹھو تو ۔ اچھا تم بیٹھ جاؤ ۔ لو میں قسم کھاتا ہوں ۔ بولو کس طرح کھاؤں جیسی کی تم کہو ؟

حسینہ ۔ یوں کہو ۔ جو جو تم پوچھو اور میں سچ سچ نہ بتاؤں تو مجھے گنگا جی کی قسم ۔ میں گئو ہی کھاؤں جو جھوٹ بولوں ۔

بابو لعل ۔ ہے بھگوتی ! یہ بڑا پاپ آج گلے پڑا ۔

حسینہ ۔ کیوں صاحب ! ابھی سے لگے پنجے چھڑانے ۔ ذرا سی قسم نہیں کھائی جاتی ۔ لو آدھا گلاس شراب اور پیو ۔

بابولعل۔ واہ! اب تو ایک بوند بھی نہیں پیوں گا۔ میں پہلے ہی مارے نشے کے اُلّو ہو رہا ہوں۔

حسینہ۔ (ہنس کر) چہ خوش! اور یہ کون پیئے گا۔ ابھی تو اس میں (بوتل ہلا کر) پوری پاؤ بھر ہوگی۔ اسی برتے پر تتا پانی۔ ہاں ہاں میں پلا کے رہوں گی۔

بابولعل۔ کیا یہ بھی کوئی زبردستی ہے آپ کی؟

حسینہ۔ اور نہیں تو کیا؟ تمھیں ہمارے سر کی قسم جو تم نہ پیو۔

بابولعل۔ لائیے صاحب۔ یہاں کیا عذر ہے معلوم ہوتا ہے آج مجھے مار کر چھوڑو گی۔ اتنی دیر ہو گئی یہاں آئے ہوئے سوائے فضول جھگڑوں کے مطلب کی ایک بھی بات نہیں ہوئی۔

(گلاس لے کر پی جاتا ہے)

حسینہ۔ کیا کہا کام کی تو ایک بات بھی نہ ہوئی۔ تو وہ کس کا قصور ہے۔ وہ بھی تمھاری ہی خطا ہے۔ تم آپ ہی دیر لگا رہے ہو۔ جلدی سے قسم کھا لو۔ پھر جو کچھ مجھے پوچھنا ہوگا پوچھ پاچھ لوں گی بس اللہ اللہ خیر صلّاح۔

بابولعل۔ بہت اچھا صاحب! میں قسم کھاتا ہوں جو کچھ آپ پوچھیں گی

وہ میں سچ سچ بتادوں گا۔ گنگا قسم کبھی فرق نہیں کرنے لگا۔

حسینہ ۔ یہ تو ایک ہوئی اور وہ دوسری۔

بابولعل ۔ ارے توبہ۔ تم تو دھرم بھرشٹ کرتی ہو۔ بس جیسی یہ کھائی ویسی ہی وہ ایک ہی بات ہے۔

حسینہ ۔ نہیں صاحب! یہ نہیں ہونے کا۔ یہ کہو جو میں تمھیں سچ سچ باتیں نہ بتاؤں تو میں گئو ہی کھاؤں۔

بابولعل ۔ ارے ارے۔ کیا گندی باتیں کرتی ہو تم۔ ہمارے مذہب میں بڑا گناہ ہے جیسے تمھارے ہاں بد جانور کا کھانا۔

حسینہ ۔ ہاں ہاں۔ یہ تو میں بھی جانتی ہوں۔ جبھی تو تم سے ایسی سخت قسم کھلوانی چاہتی ہوں کہ پھر تم مُکر نہ سکو جی۔

بابولعل ۔ تو تم وہ بات تو بتاؤ جو مجھ سے پوچھنی ہے میں بھی سُن تو لوں کہ بتانے کی ہے بھی یا نہیں۔

حسینہ ۔ اس سے تمھیں کیا؟ کیوں صاحب! جب ہم عمر بھر کیلیے تمھاری لونڈی بنتے ہیں تو کیا تمھارے ہم راز بھی نہیں ہو سکتے۔ جانے دو۔ جب تمھیں ہمارا اعتبار نہیں تو ہم کو کب تمھارا بھروسہ ہے۔ یہ خوب ہوئی کہ بتانے کی ہو یا نہ بتانے کی ہو۔

بابولعل۔ (نشے میں جھوم کر) ہائے ظالم بڑی ضدی ہے تو تو اچھا صاحب گنگا قسم میں تم سے، جو پوچھو گی کہہ دوں گا۔ گئو ہی کھاؤں جو نہ کہوں۔

حسینہ۔ (خوشی سے سرخ ہو کر) دیکھو تو سہی یہ بات کی ہے میرے دل کی سی۔ اچھا جی پہلے تو یہ بتاؤ کہ تم ہو کون؟ تمھارا نام کیا ہے؟

بابولعل۔ میں۔ میں تمھارا غولام (غلام)

حسینہ۔ پھر وہی۔ ٹھیک ٹھیک کہو۔

بابولعل۔ میں کائستھ ہوں۔ بابولعل میرا نام ہے۔

حسینہ۔ ٹھیک ٹھیک۔ اچھا بابو لعل صاحب! آپ کیا کام کرتے ہیں؟ کیا روزگار ہے آپ کا؟ آپ کا پیشہ؟

بابولعل۔ (گھبرا کر) نوکر ہوں ایک ...... ایک جگہ۔

حسینہ۔ کیوں صاحب! لگے پھر وہی اڑان گھاٹیاں بتانے۔ دیکھو تم ابھی قسم کھا چکے ہو۔

بدمعاش آدمی کی عقل اب چکر میں آجاتی ہے اور وہ سر سے پیر تک حسین عورت کو گھورنے لگتا ہے۔ پھر ذرا تھم کر کہتا ہے۔

بابولعل۔ تمھیں میری معاش سے میرے پیشہ سے کیا مطلب؟

حسینہ۔ (اسے اکھڑتا ہوا دیکھ کر) دیکھو صاحب! آدمی کے منہ میں زبان

حلال ہوتی ہے۔ یہی وقت ہے آزمائش کا۔ جو کچھ تمہیں ہم سے چھپانا ہو تم بیس دفعہ پوچھ لینا۔ جو مجھے تم سے پوچھنا ہے وہ میں پوچھے لیتی ہوں۔ اس میں کیا چوری ہے؟ جو جس کا پیشہ ہے وہ کبھی چھپایا نہیں کرتا اور فرض کرو آج تم نے چھپا لیا۔ کل کلاں کو خدا نے چاہا اور میرا تمہارا سنجوگ ہو گیا تو سیٹھ صاحب! پھر کیونکر چھپاؤ گے؟ آخر رہوں گی تو تمہارے گھر ہی میں۔ ہمارا پیارا بابو نہیں؟ جلدی جلدی بتا دے۔

یہ لفظ کچھ اس الھڑ پنے سے ادا کئے گئے کہ نشے میں چور، دغا باز، ایک دنیا کو مکر میں پھنسانے والا آدمی خود پھندے میں آگیا اور اس نے نشے کی ترنگ میں آکر بے کھٹکے کہنا شروع کر دیا۔

بابو لعل ۔ دیکھو جان! اگر تم نے ہمارا بھید سن کر کسی سے کہا تو پھر یاد رکھنا زندہ زمین میں گاڑ دوں گا۔ لو اب سنو۔ میں بڑا بھاری ٹھگ، بدمعاش، آسامی باز، تمام بمبئی کا لوٹنے والا ہوں۔ سنا تم نے؟

حسینہ ۔ (مسکرا کر) شاباش۔ شاباش۔ جب ہی تو میں کہوں یہ اتنے طرار کیوں ہیں۔ جو بات ہے عقل مندی سے خالی نہیں۔ جو فقرہ ہے نپا تلا۔ ڈھلا ڈھلایا۔ دیکھنا میں مدت سے سنا کرتی تھی کہ اسامی باز

ہُوا کرتے ہیں۔ اچھی اسامی کیونکہ بناتے ہیں؟ آسامی کسے کہتے ہیں؟
بابو لعل۔ (ایسے بُرے خیال سے اسے نافرت دیکھ کر مُسکرا دیتا ہے اور اس کے گورے گورے ہاتھ کا تڑاق سے بوسہ لے کر) ہائے۔ پرمیشر نے کتنا بھولا بنایا ہے تجھے مگر تھا اس کے ضدتن بھی بڑی ہے پیاری! بڑے بڑے امیروں کو جنھیں روپے کا لوبھ دن رات بڑھتا ہی جاتا ہے ہم مکر گانٹھ کر انھیں خوب لوٹتے ہیں۔ وہ ہمیں خوشی سے ہزاروں روپے دیتے ہیں اور پھر پیٹتے رہ جاتے ہیں۔ بس انھیں ہم برباد کرتے ہیں ان لوگوں کو ہماری اصطلاح میں اسامی کہتے ہیں۔
حسینہ۔ اوئی! وہ ایسے کون سے موئے پاگل ہیں جو تمھیں ہزار ہا روپیہ مفت اپنے ہاتھوں دے دیتے ہیں اور پیچھے پچھتاتے ہیں؟
بابو لعل۔ (فخریہ) جان! پاگل نہیں بڑے بڑے سیانے کوّے گوہ کھاتے ہیں ممکن ہے خواہ کیسا ہی ہوشیار چالاک ہو ایک دفعہ ہم اس پر پھول رکھ دیں اور وہ آنا کانی دے جائے توبہ توبہ جی جس پر ہاتھ پھیر دیں رام چاہے تو صفایا ہی ہو جائے۔ بیڑا ہی اُلٹ جائے۔ پیاری! ہم کوئی ایسے ویسے ہیں؟
حسینہ۔ اُفوہ۔ تو بڑے صاحب کمال ہو۔ اللہ قسم۔ لیکن کیا تم اکیلے اتنے

آدمیوں کو آسامی بنا لیتے ہو؟

بابو لعل - واہ - اکیلے کیوں ہونے لگے تھے - ہمارے جتھے کے پورے پینتیس آدمی ہیں - ایک سے ایک من چلا اور آفت کا پرکالہ - بگڑ جائیں تو اچھے لفٹیننٹ کی گردن توڑ کر رکھ دیں - (نشے میں جھومنے لگا)

حسینہ - جبھی - جبھی - لیکن تو تو حصّہ پتی ہو ہوا کر تمہارے پاس تھوڑا ہی روپیہ رہ جاتا ہو گا؟

بابو لعل - واہ - تمہیں یہی تو خبر نہیں - تمام کمپنی میں سوائے مرشد کے سب سے زیادہ روپیہ مجھ ہی کو ملتا ہے اور کیوں نہ ملے، سب سے زیادہ آسامیاں بھی تو میں ہی تلاش کر کے لاتا ہوں - سینکڑوں آدمی تو میری صورت سے ڈرتے ہیں -

حسینہ - (بہت ہی خوشی ظاہر کرتی ہوئی) آہا جی - تو تو مٹھی بھر بھر کے روپے ہمیں لا کر دیا کرو گے؟

بابو لعل - (شیخی کے مارے اکڑ کر) اوہ روپیہ! روپیہ بھی کوئی چیز ہے؟ ٹھیکریاں سمجھ ٹھیکریاں - جان! روپیہ تو تیری ٹھوکروں میں پڑا رہا کریگا - ہمارا مرشد سلامت رہے - کروڑوں روپے -

حسینہ - مرشد کون؟ کیا کوئی مرشد بھی ہے تمہارا؟

بابولعل ۔ جان ! سب کچھ پوچھے لیتی ہو ۔ لیکن یاد رکھو جو ذرا کسی کو کانوں کان خبر ہوئی اور تیری یہ لعل سی جان خاک میں مل جائے گی اور پھر مجھے رات دن تیری یاد میں رونا پڑے گا ۔

حسینہ ۔ (بناوٹ سے) ہے ہے نوج ۔ میری کوئی شامت آئی ہے میں کسی سے کہوں گی تو میں بھی تو ساتھ ہی پکڑی جاؤں گی ۔

بابولعل ۔ اجی پکڑی جاؤ گی یا نہ پکڑی جاؤ گی مگر پکڑے جانے سے پہلے ہی قبر میں جا سوؤ گی ۔

حسینہ ۔ بے شک ۔ خدا نہ کرے صاحب ! میں جب تم کو اپنا شوہر بناؤں گی تو پھر بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ تمہارا بھید کسی سے کہہ دوں ۔ توبہ اس دن کو موت ہی آئے خدا کرے ۔ ہاں تو وہ مرشد کون ہیں تمہارے ۔ کیا کوئی فقیر ہیں ؟

بابولعل ۔ فقیر کیا ؟ وہ بادشاہ ہے ہمارا ۔ گرو ہے سب کا ، بس یہ جو ظہور (روپیہ کھنکا کر) تم دیکھتی ہو یہ سب اسی کا ہے ۔

حسینہ ۔ سبحان اللہ صاحب ۔ تو تو بڑے کامل ہوں گے وہ ۔ بھلا وہ رہتے کہاں ہیں ؟ یہیں شہر میں کہیں ؟

بابولعل ۔ وہ ۔ وہ پانی ہیں اور ہم مٹی ہیں ۔

حسینہ ۔ لو اور سنو ۔ یہ خوب کہی ۔ اے کسی چھوکری کو راگ ودیا میں بڑی پکی چھتیسی ہوں ۔ میں تمہاری ان باتوں میں نہیں آؤں گی ۔

بابو لعل ۔ (اس کی سڈول ٹھوڑی کو پیار سے چھو کر) قسم ہے اس سیب کی میں بالکل سچ کہتا ہوں ۔ وہ پانی ہی کے اندر رہتے ہیں اور میں مٹی میں ۔

حسینہ ۔ پھر وہی ۔ بھئی صاف صاف کہو ۔ میرا ایسے گورکھ دھندے سے جی گھبراتا ہے ۔

بابو لعل ۔ اے بھولے بھالے معشوق ! میں تو ایک غار میں زمین کے نیچے رہتا ہوں اور وہ سمندر میں ٹھیک تو ہے ۔

حسینہ ۔ ہے ہے ۔ سمندر میں وہ ڈوب نہیں جاتے ۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے ؟

بابو لعل ۔ بس اس کو رہنے دو ۔ تم ایک پیار پہلے دے دو ۔ (اس کے شانے پر اپنا منہ رکھ دیتا ہے)

حسینہ ۔ (بڑے پیارے انداز سے اس کا منہ اپنے شانے پر سے ہٹا کر) توبہ تم تو بڑے بے صبرے ہو جی ! ہماری بات تو پوری ختم نہیں ہونے دیتے ۔ اپنا جھگڑا پہلے شروع کر دیتے ہو ۔ ایک دفعہ کہہ دیا ۔ ہزار دفعہ کہہ دیا کہ اب میں تمہاری ہو چکی ۔ تمہاری ہو چکی مگر ایک نہیں سنتے ، ارے نادان ! بھلا اب میں تیرے سوا کہیں جا سکتی ہوں ۔ گھر والے تو مجھے

اب رات بھر کی غیر حاضری کے بعد اپنے گھر میں پھر رکھ نہیں سکتے۔ دوسرا
کوئی میرا جان پہچان نہیں۔ پھر لے دے کے ایک تم ہی تو ہو۔ اب ناحق
کی جلدی اور چھچھورا پن کرو تو میرے آگ لگے یا نہ لگے۔ ہاں تو اچھا۔
سمندر میں وہ تمھارے گرو کیونکر رہتے ہیں؟

بابو لعل ۔ ارے ایک سمندر کیا؟ (نشہ کی جولانیوں میں) ہمارا مرشد چاہے
تو آسمان پر جا رہے۔ وہ دن بھر تو ہم لوگوں کی خواہش پر جہاں چاہتے
ہیں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ آسامیوں کو باندھ لینا ان کا ایک ادنیٰ کام
ہے اور جہاں شام ہوئی اور وہ مگر مچھ کے بدن میں ہو کر اپنے رہنے کی جگہ
چلے جاتے ہیں۔

حسینہ ۔ اوہو۔ مگر مچھ کا بدن کیا؟

بابو لعل ۔ (فرطِ مستی سے) ہائے ظالم! مگر مچھ بھی نہیں جانتی؟

حسینہ ۔ اُوئی توبہ! ظالم ہو گے تم یا تمھارے ہوتے سہتے۔ مگر مچھ تو میں سمجھ گئی
کبھی کا۔ لیکن بدن نہیں جانتی۔ وہی۔ وہ تو پوچھ رہی ہوں۔

بابو لعل ۔ قالب۔ جسم۔ بدن۔

حسینہ ۔ مرے ہیئے مگر کے جسم میں کیوں ہیں نا؟

بابو لعل ۔ صدقے اس بھولے پن کے۔ اری بے ایمان! کہیں مردہ جسم میں

بھی کوئی روزن آجا سکتا ہے۔ وہ لوہے کا جسم ہے لوہے کا۔

حسینہ ۔ ہاں ہاں۔ اب سمجھی میں (مُسکرا کر) تو گویا انھوں نے لوہے کا مگر بنوا لیا ہوگا۔ اس میں لیٹ کر سمندر میں تیرتے پھرتے ہونگے۔ کیوں کیا سمجھی ہوں نہ کہوگے؟

اس بے چین فقرہ پر بے اختیار بابو کا جی چاہا کہ حور وش شوخ چشم حسین عورت کا زبردستی مُنہ چُوم لے کہ بکار خود ہوشیار عورت تڑپ کر بینچ کے نیچے گر پڑی اور جلدی سے اپنے کپڑے جھاڑ کھسیانی ہو کر رونے کی سی آواز بنا کر باغ کے دروازہ کی طرف چل نکلی۔

بابو لعل ۔ (دوڑ کر اس کی ساڑھی کا آنچل تھامتے ہوئے) ہائیں ہائیں۔ یہ غصہ یہ نفرت۔ دیکھو پیاری ابھی سے ہم پر یہ ظلم۔ بات بات میں روٹھنا۔ بات بات میں بگاڑ۔ اچھا اب میں نہیں چھیڑنے کا۔ اچھا معاف کر دو دیکھو میں نشے میں ہوں۔ (ہاتھ جوڑ کر) ؎

شیشے میں ہے مے میں نشہ میں نشے میں ہوں
پیارے مجھے معاف ہی کر میں نشے میں ہوں

حسینہ ۔ (آنچل جھٹک کر) بس جی بس تم بہت بُرے آدمی ہو۔ تم سے ہم نہیں بولتے۔ جاؤ ہٹو۔ بڑے نشے باز آئے کہیں کے۔ بیس دفعہ کہہ دیا ہزار دفعہ سمجھا دیا کہ سیٹھ ہمیں ابھی ہاتھ نہ لگانا۔ ہم آپ تم سے کہہ دیں گے

جب ہمارا جی تھک جائے گا۔ لیکن تم بھلا انسان تھوڑا ہی ہو۔ بس ہم اپنے آپ ڈھونڈتے بھالتے اپنے کہیں چلے جائیں گے۔ ہائے دُنیا اور مطلب مطلب اور اپنا۔ ہمیں تو دیکھو ہم تمام گھر بار کو چھوڑ، کنبہ رشتے داروں سے مُنہ موڑ ان کی خاطر سے یہاں بیٹھے ہیں اور انھیں بھاؤ بن بھی نہیں۔ وہ ہیں کہ لپٹے جاتے ہیں۔ نوچے لیتے ہیں۔ توبہ کیسا بے شرم مردوا ہے۔

بابو لعل۔ خطا ہوئی صاحب! خطا ہوئی۔ خدا جانے ان باتوں میں کیا مزا ملتا ہے ؎

قدم کو ہاتھ لگاتا ہوں اُٹھ کہیں گھر چل
خدا کے واسطے اتنے تو پاؤں مت پھیلا

یہ کہہ کر یہ پھر منت و سماجت کر کے اسے اپنے پہلو میں بٹھا لیتا ہے۔

حسینہ۔ ہاں پھر شروع ہے۔ سچ پوچھو تو یہ بڑے مزے کی کہانی ہے۔ پھر کہو۔

بابو لعل۔ بہت اچھا۔ اوّل اوّل جب ہماری کمپنی نے ایسے ایسے جرائم پر کمر باندھی اور سب کے پشت و پناہ یا سرغنہ ہمارے پیر صاحب ہوئے تو ان کے سب سے الگ اور محفوظ رہنے کے لیے ایک مقام تجویز کرنا پڑا۔ اس وقت انجنیروں طبعیات جاننے والوں کی رائے سے ہمیں سب سے پہلے

مقناطیس کی پہاڑی کی تلاش ہوئی۔ پہلے تو خاص سمندر میں جہاں تہاں ایک عرصے تک غوطے لگائے۔ اکثر جانیں تلف ہوئیں۔ آخر سمندر چھوڑ کر کھاڑیوں میں پھرنے لگے۔ یہاں بے شک کسی قدر کامیابی ہوئی اور ایک چھوٹا سا ٹیکرہ شہر کے قریب ہی ایک جگہ مل گیا۔ گو جگہ بہت خطرناک اور جلد ہی ظاہر ہو جانے والی تھی۔ لیکن مناسب وقت سمجھ کر یہیں لوہے کا ایک تین منزلہ مکان کئی راتوں میں بنوایا گیا۔ بنوایا کیا جڑ دیا گیا۔ اصل میں مکان کیا ہے؟ ایک لوہے کا خول ہے جسے تین ٹکڑے جوڑ کر بنایا گیا ہے اور ہر ٹکڑا گویا اس خول یا نل کا ایک حصہ ہے جو اوپر تلے کمانیوں کے ذریعے سے ایک دوسرے میں پیچ دار گلاس کی طرح سے اترتا چڑھتا رہتا ہے۔

جب ہمارا مرشد مگرمچھ کے پیٹ میں اترا، اس کی مصنوعی آنکھوں سے دیکھتا ہوا اپنے نشان کے موافق نل کے پاس پہنچ جاتا ہے، تو وہ مگر کے جسم میں سے دو برابر کے پیچ پھراتا ہے معاً اس کے دونوں ہاتھ باہر نکل آتے ہیں۔ پھر تو پیر نل کی داہنی طرف جا کر مشین کو زور سے گھماتا ہے، اس حرکت کے ساتھ نل یا مکان کے اوپر کا حصہ اپنے جوف میں سے ابھر ابھر کر پانی سے اونچا ہونے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ اونچا ہوتے ہوتے اس کا سرا لالٹینوں والے ایک تار میں معلق لٹکے ہوئے تار سے جا ملتا ہے۔ اوپر کے حصہ میں بالکل چو طرفہ

فنر ہیں جو مکان کے سب سے پہلے طبقے کو اپنے اوپر لیے ہوئے ہوا پمپ چلتے اسی لٹکے ہوئے تار تک پہنچ جاتے ہیں۔ جب یہ کام انجام پا لیتا ہے تو مرشد نل کی دوسری طرف مڑ جاتا ہے اور اوپر والی مشین سے ہوا پمپ کو نیچے گھسیٹنا شروع کرتا ہے یہاں تک کہ ہوا پمپ فنر کے ذریعے سے بڑھتا ہُوا اپنے اصل مقام پر یا ہمارے مرشد کے مکان کے دوسرے اور تیسرے درجے میں باہر کی ہوا پہنچانے کے لیے سما جاتا ہے اور متعدد بجرجنوں کی آہستہ آہستہ بھرنے کی آواز اندر سے آنے لگتی ہے۔

اس وقت مرشد اس زنجیر کو جو اس کے جسمی خول میں آویزاں ہوتی ہے، نل کے اردگرد ہکوں میں اٹکا کر پھر جسم کا پیچ گھماتا ہے۔ فوراً وہ بیچ میں سے کھل جاتا ہے اور یہ غوطہ لگا کر نل کے دوسرے حصّے والے چور دروازہ کا کھٹکا کھول دیتا ہے جو اب پانی کی سطح سے صرف دو ڈیڑھ فٹ نیچا ہوتا ہے اور اس میں اس وقت تک پانی خارج کرنے کا اندرونی پمپ بیکار ہوتا ہے۔ جونہی کہ دروازہ کھلتا ہے اور باہر کا پانی مرشد کے جسم کے ساتھ بڑے پُر زور رَو سے اندر آجاتا ہے فوراً جھٹ آپ سے آپ بند ہو کہ دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے اور جسم کے ساتھ اندر پہنچا ہُوا پانی پمپ سے خارج ہونے لگتا ہے۔

حسینہ۔ کیوں جی! اور تو سب سمجھ میں آگیا لیکن یہ کیا کہا کہ پانی کی رَو اندر

جاتے ہی چٹخنی آپ ہی آپ بند ہو جاتی ہے تو اس طرح تو ذرا آدمی کو اندر جانے میں دیر ہوئی یا ابھی آدھا جسم اس کا اندر ہوا اور آدھا باہر اور چٹخنی بند ہو گئی تو بس آدمی کٹ گیا بیچارہ۔

بابو لعل۔ نہیں یوں تھوڑا ہے۔ اندر جانے والے آدمی کو اختیار ہے کہ داخل ہوتے وقت اپنے سامنے والے ہنڈل (دستی) کو اپنی جگہ سے نہ ہلنے دے۔ جس وقت وہ اچھی طرح مکان میں اتر جائے پھر ہنڈل چھوڑ دے۔ معاً دروازہ بند ہو جائے گا اور پانی خارج کرنے کا پمپ بھی اسی دم اپنا کام شروع کر دے گا۔ بلکہ تقریباً پانچ منٹ میں وہاں ایک بوند بھی پانی کی نہیں رہے گی۔

حسینہ۔ آہاہا۔ تو تو کمال ہی کیا ہے تم لوگوں نے۔ اچھا پھر اس دوسرے درجہ کا تختہ ہٹا کر اندر چلا جانا ہو گا گھر تمہارا؟

بابو لعل۔ ہاں بس پھر وہ سب سے نچلے درجے میں اتر جاتا ہے اور سب سے پہلے درجہ کو اوپر سے گرا لیتا ہے کہ سوائے ہوا پمپ کے اور کوئی چیز پانی کے باہر نہ رہے۔

حسینہ۔ کیوں جی! تو یہ کوئی گھنٹہ بھر کا کام ہوتا ہو گا؟

بابو لعل۔ واہ۔ تو تو تم بکے واہی دو۔ اجی تڑ تڑ۔ بس مرشد مگر میں بیٹھا اور

ایک دو سپاٹے ہیں سید حائل کے پاس - وہاں سے ونڈ پاٹ (ہوا پمپ)
کو کھولتا ہوا کوئی زیادہ سے زیادہ سات آٹھ منٹ میں اپنے آرام سے
جا سوتا ہے اور اب تو اسے پورے دو برس سمندر میں رہتے ہو گئے ہیں۔
اب تو یقین ہے وہ چار پانچ منٹ ہی میں اپنا کام ختم کر لیا کرتا ہوگا۔

حسینہ اپنے دلی خیالات میں گم ہو کر بھوت سی ہو جاتی ہے اور
اس کو اپنی طرف مخاطب نہ پا کر بابو لعل گہری نظروں سے اس کی طرف
دیکھنے لگتا ہے - لیکن جب بھی وہ اسی طرح بے حس بیٹھی رہتی ہے آخر
کو اپنے خیال کی تصدیق کے لیے اسے دفعتاً اس کا شانہ ہلا دینا پڑتا
ہے -

بابو لعل - ہائیں یہ تم کہاں تھیں اتنی دیر سے - لو جی! مجھے تو سنتے ہیں بکوا
رہی ہیں اور آپ خدا جانے کس خیال میں مدہوش بیٹھی ہیں -

حسینہ - (دلی خیالات چھپا کر مسکراہٹ سے) اے نہیں! میں تھی تو تمہاری
ہی باتوں میں لیکن اس اُجڑے مکان کی ہو بہو صورت اس وقت میری
آنکھوں میں پھر رہی تھی اور میں حق حیران اس خیال میں بُت بن گئی تھی،
واقعی صاحب! بڑے ہوشیار اور چلتے پرزے لوگ ہیں تمہارے ساتھی -
خوب مکان بنایا ہے - کیوں جی! کیا اس میں فقط ایک ہی آدمی کی

گنجائش ہے۔

بابو لعل۔ نہیں۔ کم سے کم دو تین چار تک اور زیادہ سے زیادہ چھ۔ لیکن اس طرح سب کو سخت تکلیف اٹھانی پڑے گی اور خاص کر ہمارے مرشد کو۔ وہ تو بس اکیلا ہی رہنا پسند کرتا ہے بلکہ دوسرے شخص کو وہاں ہر وقت کے رکھنے پر کمپنی کے بھید کھل جانے اور مرشد پر آفت آجانے کا بھی احتمال ہے۔

حسینہ۔ یہ کیوں؟

بابو لعل۔ اس لیے کہ جب دن دہاڑے بھی کسی جاندار کو رکھنا ہوا تو لازمی ہے کہ ہوا پمپ کا فنر بھی ہر وقت مکان میں رہے اور جہاں ہوا پمپ ایک سلاخ کی طرح، گو وہ بہت ہی پتلا ہے پانی میں رہا اور باریک بینوں کی نگاہیں اس پر پڑیں سب کو شبہ ہو جائے کہ یہ تار کیسا ہے؟ اس لیے مرشد اپنے کمرے میں آج تک کسی آدمی کو خدمت کے لیے بھی نہیں رکھتا تھا۔ مگر اب کوئی دس بارہ دن سے ایک بڑی موٹی کروڑپتی آسامی سے لاکھ روپے کی دستاویز لکھوانے کے لیے اس کے پاس کا مال والے کر وہیں رکھ چھوڑا ہے سنا ہے آدمی ہے وہ ذرالسان۔ اس سے قصہ کہانیاں سنتا ہے۔

ہنڈی بھی لکھوائی ہے۔ یقین ہے جب ہنڈی وصول ہو جائے گی تو مار بھی ڈالے گا۔

ان لفظوں کا سُننا تھا کہ نوجوان شاطر عورت کے حواسوں پر جیسے بجلی گری اور بے اختیار زار و قطار آنسو آنکھوں سے بہنے لگے۔ لیکن فوراً ہی اس نے چالاکی سے دوشالے کا پلّو اس طرح مارا کہ کچھ کچھ اس کی آنکھوں پر پڑ گیا اور اسے سنبھالنے سنبھلنے میں اس نے پھُرتی سے آنسو بھی پونچھ ڈالے اور کہنے لگی۔

حسینہ۔ کیوں جی! تو صبح کو جب وہ تمھارے گھر دل میں خدا غارت کرے موئے کو، نکلتے ہیں تو جب انھیں وہاں کوئی نہیں دیکھ لیتا؟

بابو لعل۔ اوّل تو وہ جگہ ہی ایسی سب سے الگ ہے کہ اُدھر سوائے شام کے کوئی رستہ بھی نہیں چلتا اور دوسرے پیر تو منہ اندھیرے وہاں سے شہر میں آجاتے ہیں۔

حسینہ۔ اے ہے تو بس ایک رات بھر ہی کے لیے یہ یہ جتن کرنے پڑتے ہیں۔ اچھی تو کیا فائدہ ہوتا ہوگا انھیں وہاں موت کے منہ میں رہنے سے؟

بابو لعل۔ چہ خوش۔ رام چاہے تو تیری ہی سی عقل ہو جائے سب کی۔ اری بے وقوف! ایک تو رات بھر کے لیے ہزار آفتوں سے امان میں رہتے

ہیں۔ دوسرے اندھیرے اُجالے سمندری بُردھی مار لیتے ہیں تیسرے
یہ کہ ہم نے تو تمام شہر میں اپنی آسامیوں سے انھیں بچوا رکھا ہے۔
وہ تو جس کسی کو آسامی کہنا ہوتا ہے، دوائیاں بتانے یا بیٹا وغیرہ
دینے دلانے کے وقت غیب سے آناً فاناً میں فرشتوں کی طرح
ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ہر وقت انھیں خلقت کی نگاہوں میں
رکھنا اور شہر میں سکونت پذیر بنانا ہرگز مناسب نہیں۔

حسینہ۔ کیوں جی! آخر اتنی لوٹ مار جو تم لوگ کرتے ہو، سرکار کو اس کی
خبر نہیں کیا؟

بابو لعل۔ واہ! ابھی تو ایک نفع ہے نہیں تو کجا دو برس دو دن بھی نہیں
نبھ سکتے تھے۔ مگر خبر ہونے کا بھی تو کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ جتنے اعلیٰ
حاکم ہیں سب قریب قریب ہمارے دوست ہیں۔ جتنے پولیس والے
ہیں کیا اعلیٰ کیا ادنیٰ سب ہم سے ملے ہوئے ہیں۔ اسی زور پر تو صد ہا
لکھ پتیوں کو کنگال کر دیا۔

حسینہ۔ (دل میں) ٹھہر جا موئے دیکھ تو سہی کسی نہ کسی دن ٹنڈیاں ہی
نہ کسوائی ہوں تیری اور تیرے حمایتیوں کی۔ (ظاہر) بے شک! بڑے
انتظام اور بہادری سے تم لوگوں کی بسر ہوتی ہے۔ حقیقت میں

بڑے چلتے ہوئے ہو سب۔ مجھے بھی فخر ہے کہ میرا شوہر وہ شخص بنے گا جو بڑا بھاری عیار، اوّل درجے کا چلتا پرزہ حد درجہ کا بہاور راو در چپے والا ہے۔

بابو لعل۔ (شیخی کے مارے جھوم کر) اجی روپیہ۔ روپیہ تمھاری ٹھوکروں میں۔ لو آؤ اب تو ہمارا ابھی کہنا کر دو۔

حسینہ۔ کہنا وہنا کیا۔ تم پہلے یہ تو بتاؤ۔ جب وہ گرو جی سمندر سے باہر جاتے ہیں تو آخر کنارے پر پہنچ کر وہ اس جسم کو کہاں چھوڑ جاتے ہیں؟

بابو لعل۔ چلو۔ اب تمھیں ڈال ڈال پات پات سے کیا کام؟ تمھیں آم کھانے ہیں، پیڑ گننے ہیں؟

حسینہ۔ (طعن سے) جی ہاں کوئی کام ہے ہمیں۔ بے شک ہمیں پیڑ ہی گننے ہیں۔ آپ کہیے اجارہ آتا ہے آپ کا کچھ؟

بابو لعل۔ اجارہ۔ اجارہ ہمارا کیا؟ ہائے بن چھری حلال کرڈے کافر!

حسینہ۔ کافر تو ہو گا؟ میری تو جوتی بھی نہیں ہے کافر۔

قریب تھا کہ بابو اس ادا پر بالکل ہی بے چین ہو کر اس سے لپٹ جائے جو یہ فطرتی قیافہ شناس عورت فوراً ہی بنچ پر سے پھر اُٹھ کھڑی ہوئی اور بدمعاش آدمی دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔

بابو لعل۔ الٰہی توبہ۔ بیٹھو بیٹھو۔ مجھے تو بہت نشہ ہو گیا ہے زیادہ مِنّتیں بھی نہیں کر سکتا ہوں۔ بیٹھ جا میری جان! تُو تو بڑی بے درد ہے۔ ہائے لو اور سُنو میں کہہ تو رہا ہوں۔ اچھا بیٹھو۔ صبح کو گرو جب شہر میں آتے ہیں تو وہ اس جسم کو اِدھر اُدھر کہیں کنارے پہ نشان لگا کر مٹی میں دبا آتے ہیں اور شام کو ایک پہر اک ان کے ساتھ جاتا ہے جس وقت وہ جسم کو چھوڑ کر اس مکان میں جاتے ہیں وہ اس مصنوعی مگرمچھ کو پھر کنارے پر کہیں دبا آتا ہے اور ان کے اُٹھنے اور نکلنے سے پہلے پھر اسے وہیں ان کے پاس پہنچا دیتا ہے۔

حسینہ۔ اچھا تو جب وہ جسم کو اسی کنارے پر دبا جاتا ہوگا تو کیا وہ کہیں سے دکھائی نہ دیتا ہوگا؟

بابو لعل۔ کسی قدر شاید پانی سے باہر بھی رہتا ہو۔

حسینہ۔ تو آخر سر تو اس کا باہر ہی رہتا ہوگا؟

بابو لعل۔ ہاں شاید کسی قدر، یا نہ بھی رہتا ہو؟

حسینہ۔ تو لوگ اسے دیکھ کر مار ڈالنے کے درپے نہیں ہوتے ہوں گے، بندوق وندوق نہیں مارتے اور یہ راز افشا نہیں ہو جاتا؟

بابو لعل۔ او پرمیشر نہ کرے جو یہ راز افشا ہو۔ اس میں ایک آدمی کی جان

تھوڑا ہی ہے، پورے پینتیس آدمی ہیں اس میں اور ایسا ہونے ہی کیوں لگا۔
بیسیوں دفعہ ایسا ہوا ہے۔ کہ مرشد کبھی بے احتیاطی سے مگر کا سر
مٹی میں کچھ دبا کچھ کھلا اُدھر اُدھر کہیں چھوڑ گئے ہیں اور دن کو کسی شکاری
یا راہ گیر نے مگر سمجھ کر اسے گولی بھی مار دی ہے۔ بس صدمہ پہنچتے ہی جبڑے
کی اندرونی کل اپنا اثر دکھانے لگتی ہے جو خاص اسی لیے بنائی گئی ہے
کہ جہاں اس کے جسم پر کوئی سخت صدمہ پہنچایا جائے وہ اپنا کام شروع
کر دے یعنی بیرونی حملے کے ساتھ ہی مگر اپنا منہ فطرتی طور سے پھیلا کر
دوڑنے لگتا ہے۔ اگر کوئی ناواقف آدمی اس کے منہ ہی کی طرف کھڑا
رہا تو تو وہ بچ نہیں سکتا۔ نہیں تو اکثر بھاگ بھی جاتے ہیں کیونکہ جسم کی
اصلی آنکھیں تو ہیں ہی نہیں۔

حسینہ اب باتوں میں دیا سلائی کے بکس میں سے بہت سی
دیا سلائیاں نکال لیتی ہے اور چپکے چپکے گلاس میں انھیں گھسے جاتی ہے
یہاں تک کہ بدمعاش آدمی نشہ کی جھونک میں اپنا سارا کچا چٹھا سنا کر
اس سے پھر یوں کہنے لگتا ہے۔

بابو لعل ۔ ہاں تو بس یہ یہ معاملے رہتے ہیں۔ کیوں تم پھر چپ چپ
کیوں ہو؟

حسینہ۔ نہیں تو۔ میں اس بات پر غور کر رہی ہوں کہ تم لوگوں نے کیا کیا جال بنائے ہیں؟ کیسی کیسی حکمتیں کی ہیں۔ اللہ رے مکاری (کھل کھلا کر ہنس پڑتی ہے)

بابو لعل۔ صدقے اس ہنسی کے، قربان اس کہنے کے۔ لو آؤ اب تو تمہاری گود ہیں۔ اب ہم نہیں ماننے کے چاہے کچھ بھی ہو۔ بیگم! ہم نے وہ بھید اس وقت تم کو بتایا ہے جو ہمیں سولی پر بھی نہیں بتانا چاہیے تھا۔ لو جان! آؤ۔ (ہاتھ پکڑ کے اپنی طرف کھینچتا ہے)

حسینہ۔ (بہت ہی لگاوٹ آمیز چتون سے) اچھا۔ اچھا۔ ٹھہرو تو سہی۔ لو یہ اتنی سی شراب کیوں چھوڑ دی۔ یہ بھی پی لو۔ بس پھر جو تم کہو گے ہمیں بھی منظور ہے۔

بابو لعل۔ شر۔ اب (شراب) بس صاحب۔ اب تو ایک قطرہ نہیں پی سکتا۔

حسینہ۔ (اپنا کام بڑی چالاکی سے ختم کر کے) تو جانے دو۔ اپنا ہی کچھ نقصان کرو گے۔ ہمارا کیا ہے؟

بابو لعل۔ دیکھو جان! بھلا یہ کیا ان سانیت (انسانیت) (گلا خشک ہو گیا اس لیے لفظ رکنے لگے)

حسینہ ۔ اور صاحب ! یہ کیا انسانیت ہے کہ تم نے اتنی دیر برابر تو
ہمارا کہنا مانا اور اب یہ ذرا سی (بوتل میں سے تلچھٹ تک اُلٹ کر)
نہیں پی جاتی، دم نکلا جاتا ہے۔
بابو لعل ۔ گرو سوگند ۔ مرشد قسم ۔ مجھ سے (مجھے) اب بڑا نشہ ہو گیا
ہے ۔ میرا حالق (حلق) چھِنا جاتا ہے ۔
حسینہ ۔ بلا سے چاہے حلق چھِنے یا کچھ ہو ۔ یہ تو تمہیں پینی ہی پڑے گی ۔
اتنا کہا اور ایک ادا سے چھنگلیا کان میں لے جا کے کان کھجانے
کے بہانہ سے ناخن میں تھوڑا اسا میل لے آئی اور فوراً شراب میں مخلوط
کر کے گلاس اس کے حوالے کر دیا ۔
بابو لعل ۔ (مسکراتے ہوئے) بس اب یہ تو تم ہی پی لو ۔ ہائے تیری ضد ! اوہو
یہ تو بہوت (بہت) زیادہ ہے ۔
حسینہ ۔ بس یہی تو رہ گئی ہے ۔ پی بھی جاؤ ۔ اجی ! تم تو بڑے پینے والے ہو ۔
ہے ہے غضبِ خدا کمبخت پوری ایک بوتل ڈکار گیا ۔
بابو لعل ۔ جان ! اب تو ۔۔۔ (اس کے شانے پر سر رکھ دیتا ہے ۔)
چکر ۔۔۔ آ رہے ۔۔۔ ہیں ۔۔۔ آگ لگی ۔
حسینہ ۔ ہاں جی بس سُن لیا ۔ چکر آ رہے ہیں لیکن یہ بھی خبر ہے گرمی کو گرمی

ہی مارتی ہے۔ بس یہ اور پی لو۔ پھر نشہ اُتر جائے گا۔ ہمارا میاں نہیں؟

اس تقریر کے آخری فقرے نے وہ کام دیا جو حسین عورت کی کسی بڑی سے بڑی التجا سے بھی نہ نکلتا اور معاً نشے میں چور بدحواس آدمی نے اس کے پیارے پیارے ہونٹوں سے ساغر لگا کر غٹ غٹ پی لیا۔

اس ساغر کا ڈھلنا تھا کہ اب کی دفعہ بالکل ہی مسامات بند ہونے کی نوبت آ گئی۔ آنکھوں میں کسی نے موٹے موٹے شیشے چڑھا دیئے۔ کانوں میں روئی ٹھونس دی۔ ہونٹ سل گئے اور یہ بنچ سے کمر لگا کر بُت بن گیا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا نے اور بھی چکرانا شروع کر دیا۔ حلق میں کانٹے پڑنے شروع ہو گئے۔ کان کا میل اور گندھک ملا ہوا مصالحہ قیامت ڈھا گیا۔ یہاں تک کہ دس پندرہ منٹ گذرتے ہی یہ بالکل گیا ہی گذرا ہوا۔ زمین سے آسمان کی طرف کوئی اسے اُڑائے لیے جاتا تھا اور پھر وہاں سے پھینک دیتا تھا۔ آخر ضبط نہ ہو سکا اور یہ زبردستی ٹوٹے پھوٹے لفظ زبان سے ادا کر کے بے ہوش ہو گیا اور اس کا منحوس ناپاک سر بنچ کا سہارا لینے والے تختے پر سے پھسلتا پھسلتا حسین، عیار اور نہایت ہی چالاک عورت کی گود میں آ پڑا۔ (بے ہوش ہونے سے پہلے مکار آدمی کی زبان سے نکلے ہوئے لفظ)۔

"جان! اب۔ دم۔ نے۔ نکلتا ہے۔ لے ۔ ۔ ۔ ۔"

یہ وہ گھڑی تھی جس کا خدا جانے کب سے یہ بیدار مغز چالاک لیڈی انتظار کر رہی تھی۔ چنانچہ جونہی شرابی آدمی کا سر اس کی گود میں آپڑا۔ اس نے معاً اسے اپنے دونوں ہاتھوں پر آہستہ آہستہ سے سنبھال لیا اور مارے خوشی کے اس کے پھول سے سرخ سرخ گال چاند کی چمک کو بھی مات کرنے لگے۔ کامل پانچ منٹ تک یہ بہت ہی نازک مزاج عورت اس مست بادہ پندار کا سر بہ مشکل سنبھالے رہی۔ لیکن جس وقت اسے اچھی طرح سے یقین ہو گیا کہ اب وہ کافر صبح سے پہلے کبھی نہیں اُٹھ سکتا، آہستہ آہستہ جھکا کر تختے پر رکھ دیتی ہے۔ پھر چپکے چپکے اوور کوٹ کی ایک ایک جیب ٹٹول کر تمام نوٹ اور نقد روپیہ جو بہت زیادہ معقول رقم تھی نکال لی اور اپنی کمر میں اچھی طرح باندھ لو ند کر دو شالے کو بھی جسم سے لپیٹ لیا۔ پھر ایکا ایکی نہایت ہی مضبوطی سے اس بے حس لاش کو ٹانگوں اور گردن میں ہاتھ ڈال کر آہستہ اُٹھا لیا اور بنچ کے قریب ہی ایک گڑھا سا دیکھ کر پھینک دیا۔ زور سے کسی چیز کے پانی میں گرنے کی آواز آئی اور یہ سیدھی تیزی ہو کر باغ کے دروازے سے نکلتی ہوئی رفو چکر ہو گئی۔

۷

"افسوس جس کام کو میں کرنا چاہتی ہوں وہ بہت ہی مشکل ہے"

جوہر بائی اپنی اسی محزوں اور ملول صورت سے جو اس کے خاوند اسمٰعیل جی کے غم میں ہو گئی تھی، اس وقت بھی دل کا بخار رو رو کر نکال رہی ہے۔ کلیجے میں میٹھا میٹھا درد بجلیاں بن کر چمکنے لگا ہے۔ دل کی کسک، تنہائی کا خیال کسی کو یاد دلا دلا کر مٹائے دیتا ہے۔ کوئی دل سے چاہنے والا اسے اس وقت بے طرح یاد آ رہا ہے خدا و رسولؐ کے بعد جس سے محبّت کرنے کا نیک ثمرہ ہے، وہ اس کی آنکھوں سے دُور ہے ہوئے

نہیں تو کیا کرے؟

سعیدہ بھی ایک طرف کونے میں بیٹھی کسی پائجامے کی کھونپ بھر رہی ہے۔ بار بار گردن اٹھا کر دیکھ لیتی ہے اور اس کے آنسو بہتے ہوئے دیکھ کر کلیجہ مسوس مسوس کر رہ جاتی ہے۔ سمجھانے کی کوئی حد ہو تو سمجھایا جائے۔ بہتیرا کہا سنا مگر اس کمبخت کے دل کو لگی ہوئی ہی ایسی ہے کہ کسی طرح نہیں مانتی۔ بس یہ ہو گیا ہے کہ صبح روئی، شام روئی، ادھر ہائے کر لی، ادھر ہائے کر لی۔ غرض اٹھتے درد، بیٹھتے بے چینی ہے۔ اس کی یہ بے چینی حق بجانب بھی ہے جس کا ایسا جوان، حسین، روپے والا عاشق زار والی بادشاہ تاج مر جائے تو وہ کیونکر صبر کر سکتی ہے۔ ان باتوں پر غور کرتی ہوئی سعیدہ بچاری بھی بہت دیر تک اسے اسی حال میں دیکھا کی۔ آخر ایک سان یہ حالت دیکھ کر پھر جی نہ مانا اور یہ دوڑ کر اپنے آنچل سے مظلوم ہجراں زدہ کے آنسو پونچھ کر کہنے لگی۔

سعیدہ۔ بڑی بیگم! اچھی للہ صبر کرو بیوی! اور کیا کہوں بیگم! مجھ سی نگوڑی سے دیکھا نہیں جاتا۔ زیادہ کہتی ہوں تو تم خفا ہونے لگتی ہو۔ گھبراؤ نہیں۔ دیکھو تو سہی خدا کیا کرتا ہے؟ اب چھوٹی بیگم بچاری

بہتیرا تو ٹوہ لگاتی پھر رہی ہیں۔ ان سے تو جواب لے لو پہلے۔ جب ہی جی ہلکان کرنا۔ ہائے میری شامت۔ میں کیا کروں اللہ جی؟

جوہر بائی۔ ارے بی! بیٹھو۔ ڈوبے ہوئے بھی کہیں اچھلے ہیں۔ چھوٹی بیگم کی بھلی چلائی۔ وہ تو اچھی خاصی سودائن ہیں۔ خواہ مخواہ روز اِدھر کی اُدھر، اُدھر کی اِدھر ماری ماری پھرتی ہیں۔ اتنی سی جو آبرو رہ گئی ہے، اسے بھی یہ برباد کریں گی۔ اُدھر دکان بیٹھ گئی ہے۔ بال آنا جانا بند ہو گیا۔ اِدھر بیوپاری ملکوں ملکوں کے سیٹھ خط بھیج بھیج کر حیران ہو رہے ہیں۔ نہ کسی کا کوئی جواب ہے نہ سوال۔ آمدنی کا تو کیا ذکر؟ ہائے جب آمدنی والا ہی نہ رہا تو نگوڑے روپے کو کیا لوکا لگا ہیں گے۔

اس دن کتنا کتنا میں نے منع کیا تھا۔ کیسی کیسی قدری کی تھی کہ للہ آج نہ چلو موئے تشکار دکار کو مگر میری کون سنتا تھا۔ کم بخت آپ ہی آپ اس دن میرا دم الٹا جاتا تھا، گھر سے نکلتے ہی کسی نے اس زور سے چھینکا کہ میں تو سر سے پیر تک لرز گئی۔ جی میں آیا کہ پھر کہوں اور جس طرح بھی ہو انھیں گھر لے چلوں۔ لیکن خدا رکھے رہائے) انھیں بھلا کب ایسی باتوں کا خیال رہتا تھا۔ ان سے میں کہتی بھی تو وہ

ایک نہ سُنتے - وہ ہوئے یا ان کی بہن صاحبہ ہوئیں - دونوں عورتوں کا ڈھکوسلا

کہہ کہ میرے پیچھے پڑ جاتے - لاچار دم بخود ہو کر رہ گئی اور ساتھ گھسٹتی ہوئی

چلی گئی - آخر آپ بھی جان سے گئے اور ہمیں بھی رہا سہا برباد کر گئے -

ہائے میری قسمت - واہ رے میری اُلٹی کے سُننے والے! ابھی تو اکبرآباد

جانے کی تیاریاں کر رہی تھی - ابّا جان (اسمٰعیل جی کے والد) کی منّت سماجت

کر کے ملاپ کرانے کی تدبیریں سوچ رہی تھی - ہائے اب کس کو وہاں

لے کے جاؤں گی؟ کون ہماری باتیں مانے گا؟ کس کو ہمارا خیال ہوگا؟ اے

میرے دادرس! اے میرے پروردگار! اے میرے معبود! یوں مجھ پر بجلی

گرانی تھی؟ ہائے کیا اسی طرح مانگ اُجڑنی تھی؟ اُف ایسا دل سے چاہنے

والا اور وہ یوں مٹ جائے - ہائے اب یہ رنڈاپا کیونکر کٹے گا؟

اے میرے سرتاج! اے میرے والی! اتنی جلدی ہم سے روٹھ بیٹھے؟

آہ! وہ کونسی نامراد گھڑی تھی جو تمہیں بہلانے گئی اور ہمیں ناشدنی تم بغیر بے حیا

زندگی بسر کرنے کو جیتی جاگتی چلی آئی - ہائے کسی کی آئی ہوئی مجھ کو بھی

آگئی ہوتی - اچھی تم نے اپنی پائنتی بسانے کو بھی مجھے نہ بلایا - یہاں تو

تم اکثر میرے ہی پاس آکر بیٹھا کرتے تھے بلکہ جہاں ذرا دیر ہو گئی اور

تم نے اپنی فرصت کی شکایت کرنی شروع کی - اب وہاں اکیلے اکیلے مجھ

بغیر کیسے جی لگ گیا؟

دیوانوں کی طرح سے یہ آپ ہی آپ ایسی باتیں کر رہی تھی۔ بلکہ سعیدہ بھی اب اس کے ساتھ ہی آنسو بہانے میں شریک ہو گئی تھی کہ اتنے میں بارہ بجے کی توپ دن سے چلی۔ دھوپ میں سائے کی نمو پیدا ہوئی اور کوئی دو تین ہی منٹ گزرے ہونگے جو وہم کرتا ہوا ایک کابلی وضع کا حسین نوجوان تیسرے مالے تک چڑھ آیا۔ کمرہ کے قریب پہنچتے ہی اس نے پٹیک پیا کی متواتر آوازیں سنیں اور دفعتاً کواڑ کھول "بھابی جان۔ ہائیں بھابی جان" کہتا ہوا گلے سے آ لپٹا۔

جوہر بائی۔ ہٹو بھئی بوا! ہم سے نہ بولو۔ بس تم ہمیں ہمارے ہی حال پر چھوڑ دو۔ قربان تمہارے ولاسے کے۔ اب چاہے کچھ بھی ہو، ہم تو پیٹ پیٹ کے اپنی جان دے دیں گے۔

گوہر۔ (مردانہ لباس اتارتے ہوئے) بھئی تو اس کا تو لقمان کے ہاں بھی علاج نہیں۔ بہتیرا تمہیں سمجھایا جاتا ہے لیکن تمہیں ذرا اثر نہیں ہوتا۔ یوں ہی رو رو کے اپنی جان ہلکان کئے ڈالتی ہو۔ رونا دھونا تو جب بھلا معلوم ہو کہ جب اس کا کوئی نتیجہ نکلے۔ ہاں اگر اس

پٹیک پیا سے بھائی صاحب مل جائیں، تو تم شوق سے جتنا جی چاہے دودھ ہولو - رہی میری لاپروائی یا میری شکایت کہ میں نے جھوٹا وعدہ کیا - یہ خدا کو خوب روشن ہے - کوئی گھڑی کوئی پل کوئی منٹ اس فکر سے خالی نہیں ہوں - ہر وقت جلے پیر کی بلّی بنی پھرتی ہوں - اس سے پوچھ اس سے کچھ - یہاں جا - وہاں جا - جس کا ثمرہ یہ ہوا کہ خدا چاہے خدا کا حبیبؐ تو ایک پندرھواڑے میں بھائی صاحب کو یہیں اسی کمرے میں لا بٹھاؤں گی - نہیں منہ نہیں دکھانے کی -

جوہر - (اس کی ایسی دعویدار تقریر پر برافروختہ ہوکر) اے بی! بس رہنے دو - تمہیں تو روز ایسے ہی خواب دکھائی دیتے ہیں - ہم سے اب نہیں صبر ہوتا - تمہاری بات کا کون ٹھیک ٹھکانا - غضب خدا کا آج ۱۲ ۱۳ دن ہونے کو آئے، تم یہی آج کل، آج کل کئے جاتی ہو - اب پھر اکٹھے پندرہ دن کی اور کہہ لگادی - سبحان اللہ! نہیں بیوی! تم تو وہ ہو کہ بارہ برس بچے کو بے دودھ رکھو -

گوہر - (جو ان باتوں سے جل کر کوئلہ ہی ہو گئی تھی مگر پھر ضبط کر کے) بھابی جان! اب تم سے کیا کہیں - کوئی اپنے اختیار کی بات تو ہے نہیں کہ جس وقت کہیں کر دکھائیں - موقع، وقت دیکھ رہی ہوں -

ڈھ لگالی ہے۔ اب انشاء اللہ سب کام بن۔۔۔۔۔۔

جوہر۔ (بات کاٹ کر) ائے ہے۔ رونا ہی اور کس بات کا ہے اپنے اختیار ہی کی تو کوئی بات نہیں ہوئی! وہ تو جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ آخر وہ ڈھ بھی تو مجھے بتاؤ کہ وہ کیا ہے؟ میں بھی تو سنوں (پھر آنسو آنکھوں میں ڈبڈبا آئے)

گوہر۔ بھابی جان! (کہتے کہتے تھم گئی اور پھر کہنے لگی) یا اللہ! کیا کروں۔ اری بی! میں کہتی ہوں کوئی ہتھیلی پر سرسوں جمانی ہے! آخر دس پندرہ دن ادنے سے ادنے کاموں میں بھی لگ جاتے ہیں میری کوشش میں اگر دیر ہو گئی تو کیا ظلم ہو گیا۔ رہا تمہارا یقین، تو بی! تمھیں تو جب ہی یقین آئے گا جب اللہ رکھے بھائی صاحب کے یہاں قدم آئیں گے۔ دیکھو خدا کے لیے تم میرے بھی اوسان نہ کھواؤ۔ ساری سوئیاں نکل گئی ہیں بس آنکھوں میں رہ گئی ہیں۔ وہ دگدا جو پہلے تھی اب نہیں رہی۔ صدقے ہو کے مر جاؤں میں اپنے اللہ میاں کے اس نے پتہ تو لگا دیا ہے۔

جوہر۔ (یہاں پہنچ کر بہت ہی بے صبری سے) کیا لگا دیا ہے پتہ؟ کیا تمہارے بھائی زندہ ہیں؟ اچھا کہاں ہیں۔ ہم بھی تو سنیں۔ کیا تم ان سے

مل آئیں ؟

گوہر۔ مل نہیں آئی۔ لیکن انشاء اللہ جاؤں گی ضرور ملنے۔

جوہر۔ (خوشی کے مارے سُرخ ہو کر) تجھے میری جان کی قسم! اچھی بُوا! سچ کہو۔ کہاں ہیں تمہارے بھائی۔ یہیں بمبئی میں ہیں؟

گوہر۔ (مُنہ بنا کر) ہیں کہاں۔ ایک ظالم کی قید میں ہیں۔

جوہر۔ (چھاتی پر ہاتھ مار کے) ہے ہے۔ اوئی قید کیسی؟

گوہر۔ (آنسو بہاتے ہوئے) بس اسے یونہی رہنے دو۔ مُنہ ہاتھ دھوؤ۔ وضو کرو۔ نمازیں پڑھو اور اس قادرِ مطلق سے گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگو کہ الٰہ العالمین! ہم پر رحم کر۔ ہماری کوششوں میں برکت دے۔ اے ناخدائے عالم! تو ہماری ڈوبتی کشتی کو تِرا دے۔ یقین تو ہے اس کی ذات سے کہ وہ ضرور بے کسوں کی مدد کرے گا۔

سب چپ ہو جاتے ہیں اور گوہر بائی انہی خیالوں میں گُھتی ہوئی اپنے کمرہ میں کرسی پر آ بیٹھتی ہے۔ زرّین لنگی سر سے اُتار کر میز پر رکھ دیتی ہے اور ایک ہاتھ ماتھے پر رکھ کر دوسرے ہاتھ کی پُشت سے سامنے کے رُخ سر کو سہارا دیئے ہوئے دونوں کہنیاں میز پر ٹیک کر غرقِ فکر ہو جاتی ہے۔ اس وقت اس کا آئینۂ دل خیالی غبار سے زنگ آلود

ہو جاتا ہے اور ہر ذرّہ اس میں لفظ بن کہ یوں ادا ہونے لگتا ہے۔

گوہر: "افسوس! جس کام کو میں کہنا چاہتی ہوں وہ بہت ہی مشکل ہے۔"

مشکل کیا؟ حد سے زیادہ مشکل ہے اور اتنی کی کہ ائی کوشش کا بھی
ابھی تک کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ چاہیئے تھا کہ بھابی جان مجھے اتنا سرگرم
دیکھ کر نظر بہ خدا رہتیں۔ لیکن انہیں بھا دیں بھی نہیں۔ وہ سمجھتی ہی نہیں
کہ مجھے بھی کوئی رنج بھائی صاحب کو جم ہی جم گھر میں ہونے سے ہے
یا نہیں یا میں ان کی مخلصی کے لیے رات دن جفا کفا اٹھا رہی ہوں یا
نہیں۔ بلکہ اس ارادے میں جس کا میں ابھی ذکر کروں گی مجھے پہلے تو
اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔ (پھر ذرا تھم کر) اصل میں ان کا
بھی رات دن بے قرار رہنا اور میری تسلّی کو تسلّی نہ سمجھنا، ان کے لیے
حق بجانب ہے۔ اوّل تو وہ اک ضعیف العقل بھولی بھالی عورت،
وہ بھلا کیا سمجھ سکتی ہیں کہ دریا میں دفعتاً ایک خول کا پیدا ہونا اور
چلتی ہوئی کشتی کو الٹ کر اس میں بیٹھنے والوں کا نگل جانا کیا معنی رکھتا
ہے؟ دوسرے یہ کہ اس ناسمجھ ہونے کی حالت میں کسی دوسرے کی
بتائی ہوئی خوشی پر بغیر نتیجہ صبر کر لینا بھی ان سے بہت بعید ہے۔
میری گذشتہ اور آئندہ کوششیں ان جیسے وہمی کچے عقیدے والے

کو بغیر کسی چیز کا ظہور دیکھنے کے ہرگز نہیں یقین دلا سکتیں۔

ہائے تو اس میں اب ذرا شک نہیں کہ میں دونوں طرف سے برباد ہوئی نہ وہ ہی مجھ سے خوش ہیں اور نہ میری ذاتی حالت ہی مجھے خوشی پہنچا سکتی ہے حقیقت میں اگر میں اس خیال کو ہاتھ سے دیتی ہوں تو اپنے پیارے بھائی کو دیدہ و دانستہ معرض ہلاکت میں ڈالتی ہوں۔ اور اگر خود آگ میں گر کے کوئی نتیجہ پیدا کرنا چاہتی ہوں تو اوّل تو اس کا کسی کو یقین ہی نہیں آتا۔ دوسرے میں گیا اور میری کوشش ہی گیا۔ کیونکہ وہ کام مشکل اور بہت مشکل بلکہ قریب قریب ناممکن ہے۔ اس پر طرّہ یہ کہ تنہا بے پناہ۔ بھلا اکیلا چنا کب تک بھاڑ کو پھوڑے گا۔ اور کیا کرے گا؟

یہاں پہنچ کر ایکا ایکی پھر کوئی نیا خیال اس پہلے سلسلہ کے چھوڑ دینے پر مجبور کر کے روک دیتا ہے اور یہ کامل پانچ منٹ تک سرگرداں رہ کر ایک دفعہ پھر دیوانہ وار بول اٹھتی ہے۔

"نہیں نہیں او استقلال کی مضبوط زنجیر! کیا ممکن ہے جو گوہر جیسی پکّی عورت تجھے اپنے ہاتھ سے چھوڑ دے۔ اس سے پہلے کہ اس کا دم نکلے، اے پیاری اُمید! چہرے پر سُرخی سی جھلکنے لگتی ہے! اے صبر کے پھل! تو خواہ مزے میں کتنا ہی کڑوا کسیلا کیوں نہ ہو مگر میں تجھے شہد سے زیادہ میٹھا

سمجھتی ہوں۔ میں ان سادہ لوح اور بزدل ہندوستانی عورتوں میں سے نہیں ہوں جن کے ارادے اور کوششوں کے خیال گو لڑکے کیڑوں کی طرح انھیں کے دل دماغ میں عمر بھر قید رہتے ہیں اور وہ ایک ہی چار دیواری میں مصیبتیں جھیلتے جھیلتے بے علمی، بداخلاقی، کھولت کے پلے پڑ کر وہیں کی وہیں زندہ درگور ہو جاتی ہیں۔

نہیں نہیں۔ میرے سچے اور مضبوط ارادے میری جان کے ساتھ ہیں۔ میں اپنے مرنے سے پہلے اپنی تمام کوششیں ختم کر دوں گی، خواہ ان کا کوئی نتیجہ نکلے یا نہ نکلے۔ نہ نکلنے کی حالت میں بھی میری کوششوں کو رائگاں نہ سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ جب بھی نام آوری کی فہرست میں میری شرکت ضرور ہو جائے گی اور نام کیا؟ میں کوئی نام آوری کے لیے نہیں اپنی جان جھونکتی بلکہ قدرتی سچی محبت اس کی محرک ہے۔ یہ تو پانی ہے اگر آگ کے دریا میں بھی میرا ماں جایا ہوتا تو میں بے دھڑک آنکھیں بند کر کے کود پڑتی۔ اس کی کوئی پروا نہیں۔ اس کا کوئی مضائقہ نہیں، اگر میری جان اس کام میں جاتی رہی۔ جوتی کی نوک سے۔ پاپوش کے صدقے سے۔

میں دوبارہ اس وقت پکا عہد کرتی ہوں۔ خدا میرا حاضر ناظر ہے کہ جب تک میری جان میں جان ہے، میری آنکھوں میں روشنی، میرے دل و

دماغ میں قوت ہے، میرے ہاتھ پاؤں میں سکت اور میرے رگ و پے میں اک شریفانہ خون جوش مار رہا ہے ؛ میں ہرگز ہرگز اپنے پیارے بھائی کی جان بچانے سے پہلو نہ بچاؤں گی۔ میں بہت جلد اس بڑے مگرمچھ میں بیٹھ کر منہ اندھیرے سے پہلے اس ڈاکوؤں کے قلعے میں کودنے سے کبھی باز نہ آؤں گی ہر چہ بادا باد۔"

یہ دلیرانہ لفظ تھے جو اس ہندوستانی لیڈی کی زبان سے جوش میں ادا ہوئے تھے اور برادرانہ محبت اس کے دست و بازو مل مل کر اسے دادِ شجاعت دے رہی تھی۔ دیکایک پھر خاموش ہو جاتی ہے اور تھوڑی فکر کے بعد جب وہ جوش کم ہو جاتا ہے تو اپنے چاند سے ماتھے کا پسینہ پونچھ کر پھر یہ کہنے لگتی ہے۔

"ہاں تو اب سب سے پہلے مجھے کس چیز کی مشق کرنی چاہیئے۔ غوطہ خوری اور تیرنے کی۔ بے شک پیرنے کی۔ کیونکہ سب باتیں تو میں نے اس آبی طلسم کے متعلق اس رات کو دریافت کر لی ہیں بلکہ کئی دفعہ دن کو بھی اس نقلی مگرمچھ اور اس ہوا پمپ کو بھی پانی میں ڈوبا ہوا دیکھ آئی ہوں جس سے مجھے پورا یقین ہے کہ میرے بھائی ہی کی زندگی کے لیے اس ظالم گروہ نے رات دن اس خطرناک اور دنیا کے مشتبہ کرنے والے پمپ کو اس حالت

پردہ پڑنے دینے کو گوارا کر رکھا ہے۔ ضرور میرا پیارا بھائی اس میں قید ہے۔
نوشاد ہو نہ ہو کیونکہ اس کا ذکر اس رات والے حرام زادے نے ایک دفعہ
بھی نہیں کیا تھا۔ بہتر ہے کہ میں اسے چھڑانے جانے سے پہلے ایک دفعہ
اپنی آنکھوں سے دیکھ آؤں۔ خدانخواستہ خدانخواستہ۔ خاک میرے
منہ میں۔ اگر میرا مدعا وہاں نہ ہوا تو کیا مجھے اس سمندری مہم کے سر کرنے
کی خوشی نہیں ہونی چاہیئے۔ کیا تمام بنی آدم ایک دوسرے کے بھائی
نہیں ہیں؟ کیا ایک بھائی یا بہن دوسرے بھائیوں کی ہلاکت کا پوشیدہ
سامان اس طرح دیکھے۔ دن رات ان کی اولاد، ان کے مال تلف ہوتے
اسے نظر آئیں اور وہ گوارا کرے؟ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور کسی سے
ہو بھی لیکن گوہر اک حوصلہ مند بہن سے تو اس کے جیتے جی کبھی نہیں
ہو سکتا کہ وہ آنکھوں دیکھتے اپنے حقیقی دینی یا دنیوی بھائیوں کو بے خطا
بے قصور اک بلا میں گرفتار ہوتا ہوا دیکھے اور وہ اپنی گورنمنٹ، کہ جس کے
عہدِ حکومت و معدلت کے قبضے میں سب کی جانیں ہیں، اطلاع نہ دے۔
نہیں نہیں۔ چاہے یہ جان جائے یا رہے، میں ضرور بالضرور اس معاملے
میں دیدہ و دل سے حاضر ہوں۔"
"ہاں تو دو کام مقدم ہیں۔ ایک تو کل ہی سے خفیہ طور پر کسی اچھے

پیراک سے نقطہ لگانے اور پیرے کی مشق کرنی چاہیئے اور دوسرے وہ جونز کی قونسل تھے کون تھے وہی جو اس دن صبح ہی صبح مجھے چوپاٹی پہ مل گئے تھے، وہ خفیف نٹ ہیں بڑے حکام رس اور بذاتہٖ اعلیٰ افسر معلوم ہوتے تھے، بس انھیں بلانا چاہیئے۔ شاید ان سے کوئی عمدہ مدد مل سکے۔

یہ کہہ کر اس نے خوشی بھرے تیوروں سے جلدی جلدی اپنے سامنے رکھے ہوئے پیڈ (کاغذوں کے پیٹھے) کو اور بھی آگے کر لیا اور اس میں سے ایک خوش نما کاغذ نکال کر مسکراتی ہوئی یہ خط لکھنے لگی :-

"بمبئی جولائی ۱۸۸۳ء حاجی اسمٰعیل کی چال

جناب من!

سلام علیکم۔ آج آپ اک ایسے اجنبی نوجوان کا خط پڑھ رہے ہیں جو سوائے ایک دفعہ کے آپ سے کبھی کا روشناس نہیں۔ ممکن تو ہے کہ آپ مجھے بھول گئے ہوں مگر میں نہیں بھولا۔ شاید اس سرسری ملاقات میں آپ نے چلتے وقت مجھ سے یہ فقرہ کہا تھا کہ اگر تجھے کبھی کوئی ضرورت پڑے تو ترکی قونسل کو یاد کر لینا چنانچہ آجکل میں اک سخت

ضروری مشورے کا خواہاں ہوں اور سوائے آپ کے مجھے اس معاملے کا اظہار کسی سے منظور بھی نہیں۔ اگر آپ الکریم اذا وعدہ وفا پر عمل کرنا چاہیں تو کل ٹھیک بارہ بجے دن کے حاجی اسمٰعیل کے زنانے مکان پر تکلیف فرما ہوں۔ بعید از غربا نوازی نہ ہوگا۔ الٰہی! سلطانی چھر برا تمام مسلمانوں کے سر پر تا قیامت لہراتا رہے۔ والسلام

آپ کا بڑی بے چینی سے انتظار کرنے والا

تاج الدین سوداگر کھنڈی بازار

یہ مضامین خط کی صورت میں تمام ہوتے ہی خشک ہو کر فوراً ہی ملفوف ہوئے اور معاً انگریزی میں کر گاؤں۔ نز کی قونسل لکھ کر سعیدہ کو آواز دی گئی۔

سعیدہ۔ آئی بیگم! ذرا سا زردہ کھا لوں۔

دو تین منٹ گزرنے کے بعد پٹاری بند ہونے کی آواز آئی اور بی سعیدہ گوہر کے پاس پہنچ گئی۔

گوہر۔ لو بی! یہ لفافہ ابھی کسی کو دو کہ ڈاک میں ڈال آئے مگر دیکھنا! ابھی ابھی (گھڑی دیکھ کر) ساڑھے بارہ ہیں۔ اب یہ ڈیڑھ بجے

نکل جانا چاہیئے۔

سعیدہ۔ بہت خوب! ابھی لیجیئے۔ چندیا کو بھیجتی ہوں۔ بس یہی کام تھا یا کچھ اور بھی؟

گوہر۔ ہاں۔ بس یہی!

سعیدہ تو خط لے چلی جاتی ہے اور یہ کچھ جسمانی تھکن کچھ دماغی خیالات کی جولانیوں سے اک مخملی گدیلے دار آرام چوکی پر لیٹ کر کچھ بند کچھ کھلی آنکھوں کا عالم دکھاتی ہوئی محوِ خواب ناز ہو جاتی ہے اور ہم بھی محفل سُونی دیکھ کر یہ شعر پڑھتے ہوئے رخصت ہے

آنکھیں کھلی ہوئی ہیں عجب خواب ناز ہے

فتنہ تو سو رہا ہے در فتنہ باز ہے

۸

ہائے جلسے شراب خانے کے
جمع ہیں پاک اک زمانے کے

گرینڈ روڈ۔ الفنسٹن تھیٹر کے پاس اک شراب خانے میں بہت سے آدمیوں کا جمگھٹا ہے۔ مئے گلگوں نے حسبِ معمول اپنے آگے سب کے رنگ پھیکے کر دیئے ہیں۔ کوئی اِدھر پی رہا ہے کوئی اُدھر اوک رہا ہے۔ کسی نے زور سے ہانک لگائی "لمنیڈ۔ لمنیڈ"۔ کوئی پکار اُٹھا "سوڈا برف۔ سوڈا برف"۔ کوئی کسی پری چہرہ سے دست بہ جام و لب بہ بوسہ کسی نے ڈیڑھ چلو پی کر سینکڑوں گالیاں بکنی شروع کر دی ہیں۔ کہیں کوئی کسی سے

خواہ مخواہ دست و گریباں ہو گیا ہے۔ ایک طرف زمین پہ آلتیاں پالتیاں مارے چند خاکروب زہر مار کر رہے ہیں۔ ان کی عجیب ہی گت ہے۔

ایک۔ بھئی۔ لا۔ لا۔ آج تو اُو۔ اُوٹ ہی دیا۔ یار۔

دوسرا۔ ابے جا بھی (دوسرے کی طرف اشارہ کر کے) یہ پہل وان (پہلوان) کو تو دی اے کھ (دیکھ) کتنی پی اٹے (اپئے) ہوئے ہے۔ واہ!

تیسرا۔ اُور۔ اُدر یہ نمبرا۔ یہ یار کہ سار (کیسا) پی اے نے (پینے) وا۔ وا۔ لا (والا) ہے۔

چوتھا۔ ابے بس۔ ہیں کہہ اے۔ تا (کہتا) ہوں۔ وہ ہے۔ نے (اٹھنے) ہی د۔ اے (دے) آدھی ائی (آدھی) باٹ۔ باٹلی (بوتل) ہیں تو اٹھ۔ اٹھا نہیں جاتا۔

تیسرا۔ کیا۔ کس سے۔ کس سے اے (ایسے) مجھ سے۔ ہوں۔ ہیں۔ ایں (ہیں)، تو تجھ کو بھی پی۔ ائی (پی) جا۔ آؤ۔ ں (جاؤں)۔

چوتھا۔ (گرم ہو کر) کیوں بے۔ یہ بہکا ناں (نا)

تیسرا۔ بہ۔ بہکے۔ گیں کیا۔ تجھ۔ جس سے (تجھ سے)۔

گالی گلوچ ہونے لگی اور آپس میں کوئی تین چار منٹ کے لیے خوب جوت چلا۔ کوئی اِدھر گرا اور کوئی اُدھر۔ کسی کا جُوتا کسی کے ہاتھ میں اور کسی کے پٹّے کسی کے ہاتھ میں۔ اس طوفانِ بے تمیزی کے بعد سب کے سب پھر جم بیٹھے۔ بیچ بچاؤ ہو گیا اور اناپ شناپ باتیں اُڑنے لگیں۔

ایک۔ بھوندو یار۔ کو۔ کو۔ ائی (کوئی) گہ گجل اوڑے گجبی (غزل)۔

بھوندو۔ ائے پی۔ پی۔ لن۔ ٹیوں (پلنڈیوں) گجلیں یاد ہیں۔ بے سن۔ دیکھ لگا بنکارنے۔

مرغن نے قفس کرنے کو میں سرمہ سلائی
میں بھاگی پھروں اسے کجا تو کدھر آئی

راوی — مرغانِ قفس کر رہے ہاں نغمہ سرائی
کیا فصلِ بہاری کی چمن میں خبر آئی

کو کیا خوب اصلاح دی ہے۔

واہ میاں پہلوان واہ! اور آفرین بی شراب جان! تم نے ادھر ہی رنگ نہیں جمایا ہے بلکہ بڑے بڑے شرفا پر بھی خوب چھاپے مارے ہیں۔ وہ دیکھئے دوسری طرف صحن میں کرسیوں پر چند

ارباب جلسہ کلو وشرب کے معنی دوسرے پیرایہ میں ادا کر رہے ہیں۔ ان کی متبرک صورتیں قابلِ تحسین ہیں۔ سر پر چھوٹی چھوٹی ململی نما پگڑیاں۔ گلے میں ململی سلیمے حاجیوں کے سے جبے، شرعیاں ٹخنوں سے اونچی۔ سیاہ سفید تل چاولی ناف سے نیچی داڑھیاں، ماتھے پہ بڑے بڑے گٹے۔ توندیں پھلائے بے غل وغش جرعہ کشی کر رہے ہیں۔

معزز ناظرین! شاید آپ اسے مبالغہ سمجھیں۔ لیکن اس خیال کے ساتھ ہی کم سے کم آپ کو ایک وقائع نگار کے سچے لفظوں کا بھی لحاظ کر لینا واجب ہے۔ یہ تو خیر سادے دنوں کا ذکر تھا۔ ہم نے ایسی ہی پاک صورتوں کو اسی اسلامی دنیا کے مرکز (بمبئی) ہی میں عین رمضان المبارک میں جب کہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ پابندِ صوم وصلوٰۃ رہ کر تیسوں روزے رکھے ٹھیک ڈیڑھ بجے دن کے اِدھر اُدھر دیکھ کر شراب خانوں میں گھستے ہوئے اور پھر وہاں سے جلدی جلدی زہر مار کر کے رومال سے منہ پونچھتے ہوئے اکثر نکلتے دیکھا ہے ؎

بہ بیں تفاوت رہ   از کجاست تا بہ کجا

آئیے ایک اور سیر دکھائیں۔ وہ دیکھئے کچھ لوگ ایک میز کے اِرد گرد دَور پہ دَور ڈھلکا رہے ہیں اور زور زور سے قہقہے لگا رہے ہیں۔ چونکہ

یہ آوازیں کسی قدر آشنا معلوم ہوتی ہیں لہٰذا پاس جانے ہی آپ سمجھ جائیں گے کہ یہ کون کون ہیں۔ ان میں کچھ لوگ تو ان ہی بدمعاش لیڈروں میں کے ہیں جن کی دھاک تمام بمبئی میں ہے اور دو ایک اور متمول سیٹھ بھی ہیں جنھیں اسی غرض سے یہاں لایا گیا ہے کہ پہلے دوستانہ برتاؤ کر کے شراب کی تواضع کی جائے اور پھر اپنے داؤں پر لاتے ہی چاروں شانے چت لٹا دیا جائے۔ اس وقت تو بڑی گرم جوشیاں ہو رہی ہیں۔ بنگالی بابو۔ ڈاکٹر صاحب۔ دوا فروش۔ ذات شریف۔ انجنیئر وغیرہ وغیرہ کئی ممبر اس کمپنی کے موجود ہیں اور اُن دو سادہ لوح سیٹھوں کی دعوت عداوت کے پیرائے میں بڑے زوروں پر ہو رہی ہے۔ لیکن جہاں کام بن گیا، مرغ زیرک دام میں پھنس گیا۔ تو پھر ادھر کا رستہ بھی نہیں چلیں گے۔ اُلٹے یہ ہی بچارے انھیں ڈھونڈتے پھر یں گے۔

ڈاکٹر صاحب۔ کیوں شیٹھ صاحب! آپ تو کچھ تھوڑا ہی پیتا ہے۔ یہ کیا بات؟

سیٹھ۔ صاحب! تھوڑا ہی اچھا بھی ہے۔ جیادہ (زیادہ) کھرابی (خرابی) لاتا ہے۔

ڈاکٹر۔ بے شک۔ لیکن آپ لوگوں نے تو آج کچھ بھی نہیں پیا۔

دوسرا سیٹھ۔ نہیں شاب۔ ایسا نہ بولو۔ آپ سے جیادہ (زیادہ) لیکن اس وقت بوت (بہت) دیری ہو گیا ہم لوگ کو۔ کیا ٹیم ہے (ٹائم)؟

ڈاکٹر۔ (گھڑی دیکھ کر) اوہ! ابھی بڑا ٹائم ہے۔ ابھی دش بجا ہے۔

پہلا سیٹھ۔ او باپ رے۔ دش کلاک بج گیا تو شاب! اب ہم لوگ کو چھٹی دو۔

ڈاکٹر۔ ابی (ابھی) ابی بیٹھو سیٹھ۔ ابی بڑا وکت (وقت) ہے۔ آپ کو کون کام جورور (ضرور) ہے۔

دوسرا سیٹھ۔ جوروری (ضروری) تو کیا پر ہم کو اپنے گھر ہی میں ایک دو مہمان کا کھانا کرنا ہے۔ وہ لوگ ہندوستان سے آیا ہے۔ ہمارا برادری ہے۔

ڈاکٹر۔ برادری؟ آپ لوگ کون کوم (قوم) ہے سیٹھ؟

دوسرا۔ ام (ہم) تیلی ہے۔ ہمارے ہاں بوت بوت کسم کا پھولیل بنتا ہے عطر کھینچتا ہے۔ گلاب کیوڑا سب ہی رکم کا ہوتا ہے۔

بنگالی بابو۔ پر کارکھانو (کارخانہ) ہے نا؟

سیٹھ۔ ہو (ہاں) سب مال دِساور جاتا ہے۔

ڈاکٹر۔ آپ پر کوئی انکم ٹیکس بھی ہے؟

سیٹھ۔ او۔ ایسا بومبئی میں بہوت کم ہوگا جو انکم ٹیکس (ٹیکس) نہ دیتا ہو۔
(ہنس کر) ہم پر بھی ہزار پانسو سالانہ پڑ جاتا ہے۔

ڈاکٹر اس کی آمدنی کا اندازہ کر کے اپنے دہنی طرف والے ایک اجنبی شخص کو اشارہ کر دیتا ہے جس کی تعمیل تھوڑی دیر میں یہ ہوتی ہے کہ ایکا ایکی دو آدمی آپس میں جھگڑتے ہوئے بھٹی (شراب خانہ) میں آجاتے ہیں۔

ایک۔ پر تمہیں اس سے کیا۔ اپنا مال ہے ہم نہیں دیتا۔

دوسرا۔ تمہارا مال۔ تمہارے کیا باپ کا ہے؟ فکیر (فقیر) نے دیا ہے۔ ہم کو بھی تھوڑا دیو اس میں سے۔ نہیں یاد رکھو پربھو! ٹنٹا (لڑائی) ہو جائے گا۔

پربھو۔ کیا بولے؟ فکیر دیا ہے۔ پر فکیر نے مجھ ہی کو دیا ہے یا تم کو؟ اور فر (پھر) ٹنٹا ہوگا تو کیا ام (ہم) تم سے ڈرتا ہے؟

دوسرا۔ پر یہ ٹیک (ٹھیک) نہیں۔ ام گپ چپ بولتا ہے دے دوبائی (بھائی) فر تم کو دک (دق) ہو کر دینا پڑے گا۔

پربھو۔ (شراب والے سے شراب لے کر) دک تو ام کبھی بھی نہ ہوگا۔ تم کیا ہم سے ٹر فر کرتا ہے۔ پیلے (پہلے) تھوڑا تھوڑا پی لو فر گت

(جلسہ) اٹھے گی۔ ام دیگا۔ ام دیگا تم آؤ۔ آؤ بیٹھو۔

دوسرا خوش ہو کر ان امیر آدمیوں کے قریب ہی ایک دوسری سیٹ پر بیٹھ جاتا ہے اور اس کا ساتھی بھی اس کے پہلو بہ پہلو ہو کر چسکیاں لگانے لگتا ہے۔ دونوں جب ذرا ذرا تر و مازہ ہو جاتے ہیں تو پھر آپس میں وہی ذکر چلتا ہے۔

دوسرا۔ لیاؤ شیشا! اب وہ دوا۔

پربھو۔ دیکھو بائی (بھائی) ام دارو اسی لیے تم کو پلا دیا ہے کہ تم ہمارا جان چھوڑ دو۔ ام وہ تمھیں کبھی نہیں دے گا۔

دوسرا۔ کیا بولا؟ کبھی نہیں دے گا۔ ام ابی لے گا۔ ابی اسی دم۔ دارو کا کیا ہے تم اپنا ڈیڑیا لے لو (پیسے) (یہ کہہ کر یہ اپنی جیب سے ایک روپیہ نکال کر پھینک دیتا ہے)۔

پربھو۔ الابکس (الٰہ بخش) پیالا (نشہ میں) ہو کر تم بہوت (بہت) بگڑا کرتا ہے۔ ناہک (ناحق) کو ٹنٹا کرے گا ام (ہم) جانتا ہے۔

الٰہ بخش۔ اچا فر تم دے ہی کیوں نہیں دیتا۔ ام کو یہ ہی تو سوجھتی ہوتا ہے کہ جب تمھارا اپنا مال نہیں کش (کچھ) نہیں فر (پھر) جو تم اتنا گول مال نکالتا ہے یہ کیا بات؟

پربھو۔ ارے ہمارا اپنا مال نہیں۔ یہ کیسے ہوا؟ تم کو ام کوئی چیج (چیز)
دیوے اور فروہ تمھارا مال نہیں ہو گیا؟ فکیر نے ہم کو وہ میڈیسین
(دوائی) دیا تو ہمارا مال پہلے (پہلے) ہو چکا۔
الٰہی بخش۔ ٹیرو تہ ٹیرو (ٹھہرو تو) تم اگلے (اکیلے) کو دیا فکیر نے؟
سب کے (بیمار) تم تھا یا ام (ہم)؟
پربھو۔ پر مانگا تو فکیر سے ام ہی نے۔ تمھارا کوئی ہک (حق) نہیں۔
جاؤ ریپٹ (رپورٹ) بولو۔ نہیں دے گا ام (بگڑ گیا)۔
الٰہی بخش بھی اب کہاں تھا۔ اس نے بھی اسی طرح دیکھے
بدل کر اس کی گردن میں ہاتھ ڈالا اور لگی لپڑ ڈگی ہونے۔
ڈاکٹر۔ (اپنی کرسی سے اٹھ کر) اے۔ اے۔ تم کون ہے۔ ایسا
گول مال کرنا ہیاں (یہاں) ٹنٹا نہ کرو۔ بدمعاش۔
بنگالی۔ نکّو نکّو! کون ہے۔ تم۔ ابی دو ٹھو۔ گُٹ لگائے گا۔ تم ہماری
گمّت میں کھرابی (خرابی) کرتا ہے۔
یہ دونوں اسی طرح کتنے ہی رہتے ہیں مگر دوا فروش اور ایک
اور کمپنی کا آدمی دونوں اُٹھ کر لڑنے والے آدمیوں کا بیچ بچاؤ
کرنے لگتے ہیں۔

دوافروش - (جو ہندوستانی ہے) ہٹ جاؤ۔ ہٹ جاؤ۔ ارے کیوں بے ہودہ بک رہے ہو۔ دیکھتے نہیں ڈاکٹر صاحب اور سیٹھ لوگ بیٹھے ہیں۔ کیا جھگڑا ہے تمہارا آپس میں؟

پربھو - جگڑا کیا؟ یہ ہمارا مال میں سے آدھا مانگتا ہے۔ ام کیسا دے دے جی اسکو؟

دوافروش - (الٰہی بخش سے) کیوں بھئی! یہ کیا زبردستی ہے۔ پرائے مال پر تمھارا کیا زور؟

الٰہی بخش - مال کیا ہے؟ بائی کوئی روپیہ یا کاگز (نوٹ) مانگتا ہے ام اس سے؟

دوافروش - اور کیا سونا چاندی ہے؟

الٰہی بخش - او بائی! مڈیسن ہے مڈیسن - ام سبک (بیمار) تھا ام نے (ہم نے) اک فکیر کو بہوت برسوں سے دیکھا ہوا تھا۔ آج وہ گرگاؤں کی طرف ام کو مل گیا۔ ام اس سے بولا - بائی! ام تو جبان (زبان) نہیں ہلا سکتا۔ تم اس فکیر سے ہمارا دکھ بولو۔ یہہ بہوت اچا فکیر سُننے ہیں آیا ہے۔ بس اس نے ہمارے کہنے پر فکیر صاحب سے بولا۔ اس نے ایک بات نہ دو بس اپنی پاکٹ (پوکٹ۔ جیب) سے

ایک کاگز (کاغذ) میں دوائی اسے دے دیا اور بولا اسے کھا جاؤ۔ فر اوپر سے پندرہ سیر گھی پی لو۔ بس اچا ہو جائیگا۔ اور اگر گھی نہ پیئے گا تو آدھا کلاک میں سونا پور (ایک قبرستان ہے) چلا جائیگا۔ اتنا بول فکیر تو گوم (گم) ہو گیا اور ام لوگ وہاں سے چلا آیا۔ اب اس سے کئی کئی دفعے مانگ چکا ہوں پر یہ نہیں دیتا۔ فر ہینکڑی کرتا ہے۔ تم چھوڑ دو سیٹھ! ام ابی لیو گا اس سے۔

یہ ایک تعجب خیز داستان تھی جو سب کے سب نشہ باز کان لگائے سن رہے تھے۔ لیکن جونہی کہ پندرہ سیر گھی ایک آنِ واحد میں پی لینے کا حکم سنا، سب کے سب کھِل کھلا کر ہنس پڑے۔

بنگالی۔ او بوفول (او تم بیوقوف) یہ کس نے تم سے مسکھری (تمسخر) کیا؟

اللہ بخش۔ مسکھری کیسا سیٹھ! وہ تو بڑا پہنچا ہوا سائیں مولا تھا۔

بنگالی۔ پہنچا وا کیا؟

ڈاکٹر۔ (خود متوجہ ہو کر) کیا بولا۔ کیسا دوائی اور پندرہ سیر گھی اوپر سے پینا؟

دوا فروش۔ اجی یونہی یہ تو سڑی ہو گیا ہے۔ جانے نشہ میں کیا غوز میں لڑا رہا ہے۔

پر بھجو۔ نہیں نہیں پیالا نہیں ہے۔ ٹیک (ٹھیک) بولتا ہے۔ فکیر کو

جھوٹ سے کیا کام تھا۔ اوہ تو بڑا اُلو نا ہے۔

حاضرینِ جلسہ۔ اچھا دیکھیں وہ دوائی تو دیکھیں۔ تم میں سے کس کے پاس

ہے۔ وہ دکھاؤ تو سہی ذرا۔

الٰہی بخش۔ اس کے پاس پر بھُو کے!

ڈاکٹر۔ (خود بہ نفسِ نفیس اُٹھ کر) ہم دیکھیں ہم۔ نکالو وہ دوا تم دو تو ادھر

پر بھو۔ صاحب! آرام تم سے دے گا۔

ڈاکٹر۔ ہاں ہاں! بے شک تم ام سے لو جی۔ یہ کیا دوا ہے۔ ایسا

ایسا ہیس دوا۔

پر بھو اپنی جیب میں سے ایک چمڑے کا بٹوہ نکالتا ہے اور

اس میں سے ایک چھوٹی سی پڑیا نکال کر سب کے سامنے مسٹر کواڈرس

کو دے دیتا ہے۔ ڈاکٹر اس پڑیا کو آہستہ آہستہ کھولتا جاتا ہے

اور مسکرا مسکرا کر کہتا جاتا ہے۔

ڈاکٹر۔ ہاں کیا بولا؟ اس پر سے پندرہ سیر گھی پی جانا چاہیئے۔

الٰہی بخش۔ ہو۔ شاب (ہاں صاحب) پندرہ سیر پورا۔

دوا فروش۔ پھر دہی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ پندرہ سیر گھی پیا ہی کیونکر

جائے گا؟ بھلا وہ آدمی ہو گا کہ گائے بھینس؟ اور گائے بھینس بھی

ایک دم سے اتنا نہیں پی سکتی۔ دوسرے پندرہ سیر گھی پی کر پیٹ پھٹے گا کہ رہے گا ؟

پرکھو۔ بائی شاب (بھائی صاحب) یہ دوائی کا تاثیر ہے کہ اگر اس پر سے پندرہ سیر گھی نہ پیئے تو گرمی کے مارے بودن (بدن) تمام پھٹ جائے فکیر بول دیا ہے کہ نکی پندرہ سیر گھی نہ پیئے گا تو مر جائے گا۔

الٰہ بخش ۔ برابر (یعنی درست)

سیٹھ ۔ (روغن گر) ارے کیا تجب (تعجب) کا بات ہے۔ بائی شاب! فکیر کا بات ہے۔ ہوگا کُش (کچھ)

دوا فروش ۔ دیا نو کٹتی ہوئی کہہ رہا تھا یا سادہ لوح سیٹھ پر ان فقروں کا اثر پڑتا ہوا دیکھ کر جھٹ ہاں میں ہاں ملانے لگا۔ بے شک صاحب! آپ نے بھی ٹھیک کہا۔ فقیر کا بقعہ ہے خدا جانے اس میں کون ہے کون نہیں ہے۔ کیا تعجب ہے جو اس دوا کی خاصیت یہی ہو کہ اس پر گھی اس کثرت سے پیا جائے۔ دیکھئے ڈاکٹر صاحب! ذرا آپ بھی تو پہچانیئے کیا چیز ہے یہ ؟

ڈاکٹر صاحب ۔ (اس دوا کو لیمپ کے سامنے رکھ کر) پر تم کو بیماری کیا ہے مسٹر الٰہ بخش ؟

الٰہ بخش ۔ گنوریا (سوزاک)

ڈاکٹر ۔ ہیلو ۔ گنوریا سے اور اس مٹی سے کیا مکابلہ (مقابلہ)

ایک اور ہندوستانی ۔ اجی راکھ ہے راکھ ۔

دوا فروش ۔ (چٹکی میں مل کر) ہے تو بڑی مہین پسی ہوئی (سونگھنے لگتا ہے) ۔

بنگالی ۔ پر مسٹر کواڈرس! تم اسے کیا جانتا ہے اکھر (آخر) ؟

مسٹر کواڈرس ۔ ہم ۔ ہم چٹکی بھر کر دوسرے سیٹھ کو دیتا ہے ۔ یہ لیجیے آپ بھی دیکھیں ۔ (مسکرا کر ہائے کچھ نہیں ایسا ہی دوکا (دھوکا) دیا تم کو بین (آدمی) ۔

بنگالی ۔ ایسا نہ بولو ۔ سادھو لوگ پرماتما کا روپ دھارتا ہے ۔ وہ کبھی گول مال نہیں کرے گا اچا (اچھا) صابر (صبر) صابر (صبر) کیوں الٰہ بخش! تم یہ دوا کی کیمت کتنا دیا فکیر کو ؟

پربھو ۔ (الٰہ بخش سے پہلے) ایک پائی نہیں ۔

بنگالی ۔ بس کھرا مڈبین ۔ اچا (اچھا) ہے ۔ برابر ۔

دوا فروش ۔ ہاں صاحب! تو تو بے شک یہ کوئی عمدہ دوا ہے جب اس نے بے طمع دی تو ضرور اچھی چیز ہے ۔ لیکن وہ فقیر صاحب کیا بمبئی ہی کے رہنے والے ہیں ۔

پربھو۔ یہ ام نہیں جانتا شیٹھ!

الٰہی بخش۔ یہاں کا رہنے والا نہیں ہے وہ۔ اس لیے کہ ہمارا بابی ہے اک

وہ بولتا تھا کہ یہ فکیر بڑا سچا اور کسی کو مانگتا نہیں ہے۔ ہمیں ہمیں

(ہمیشہ ہمیشہ) بھی نہیں دکھائی پڑتا۔ کسی کسی دن گھومنے کو نکل آتا ہے۔

دوا فروش۔ کیا کبھی کبھی دکھائی دیتے ہیں وہ فقیر صاحب اور یہاں کے

رہنے والے بھی نہیں ہیں؟

الٰہی بخش۔ ہو (ہاں)، یہ ہی بات!

روغن گر۔ (جس کا رجحان پہلے ہی سے فقیروں کی طرف تھا، پرانا جھگڑا

کیوں کرتے ہو تم لوگ؟ ارے بابی! ساد ھو ہوا مسلمان فکیر ہوا۔

کوئی بھی ہوا اس سے کوئی تجب (تعجب) نہیں۔

دوا فروش۔ دکان کو ہاتھ لگاکر) ہاں صاحب! ایسی باتوں میں بولنا ہی

نہیں چاہیئے۔ فقیر کا تبرک ہے بے شک الٰہی بخش! تم اسے کھاؤ ضرور۔

نفع اُٹھاؤ گے۔ یہ خاصیت اکسیر میں ہوتی ہے کہ ہر مرض کو فائدہ دے۔

مسٹر کواڈ رس۔ (ہنس کر) ارے بس۔ تم آیا ہے بڑا حکیم بن کر! اکسیر سب مرض

کو فائدہ کرتا ہے۔ تمہارا دُم۔

دوا فروش۔ نہیں صاحب! آپ تو یونہی ہر اک بات میں ہنس دیتے ہیں۔

لاہئیے جو یہ اکسیر نہ ہو تو ہاتھ کٹتا ہوں - اوّل تو ایسے اللہ والے فقیر کا تبرک - دوسرے اپنے خدا جانے کیا بات ہے - بس دے دیجئے اس کو - آپ کو اس سے کیا؟ (الہٰی بخش اور پربھو سے مڑ کر) دوست پھر اس میں سے ایک حصّہ ہم بھی لیں گے -

روغن گر - اچا (اچھا) رہا - پہلے (پہلے) ہی وہ آپس میں اسی حصّہ بھرہ (بخرہ) پر جھگڑا کرتا تھا اب تم اور تیسرا آدمی پیدا ہو گیا -

(سب ہنسنے لگتے ہیں)

مسٹر کوا ڈرس - مگر ہم جہاں تک اس کو دیکھتا ہے، ہمیں یہ کوئی دوا نہیں معلوم ہوتا (مسکراتے ہوئے دوا فروش کی طرف دیکھ کر) تو شیک جی (شیخ جی) یہ اکسیر ہے فر (پھر)؟

دوا فروش - (بڑی متانت سے) کیا تعجب ہے؟

ایک اور ہندوستانی - ہاں صاحب! کوئی اچنبا ہے لیکن اکسیر کی تو یہ خاصیت ہے نا کہ اسے تانبے پر یا کسی دھات پر ڈال کر تاپا جائے تو چاندی یا سونا ہو جائے - (ایک بڑے زور کا قہقہہ)

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب پھر اپنی کرسی پر ہاتھ میں دوا لیے بیٹھ جاتے ہیں اور الٰہی بخش - پربھو بھی دو کرسیاں اور کھینچ کر دوا فروش

کے برابر ہو بیٹھتے ہیں۔

روغن گر۔ (معہ اپنے ساتھی کے) صاحب! اب ہم لوگ کو بڑا دیری ہو گیا۔ رکھست (رخصت)

ڈاکٹر۔ اچھا تو آپ اب جائیں گے؟ ایک ایک پیگ گریپ وائین (انگوری شراب) اور تھوڑا اچھا ہے۔ (اپنے ملازم کی طرف اشارہ کر کے) چاتی! جاؤ ایک بوتل لاؤ گریپ وائین۔

چاتی چلا جاتا ہے اور یہاں پھر اسی دوا کی نسبت ذکر چھڑ جاتا ہے۔

پربھو۔ لا بئے شاب! تو اب ہمیں دو مڈلیس۔ ام لوگ بھی اب اپنے اپنے گھر جائے گا۔

ڈاکٹر۔ ٹھہرو جرا (ذرا) ٹھہرو۔ دارو نہیں پیئے گا؟

پربھو۔ یہ بھی آپ ہی کا ہے جو ام (ہم) پیا ہے۔

دوا فروش۔ لیکن وہ جو صاحب نے منگائی ہے وہ خالص انگور کی ہو گی۔ ایسی کبھی پی ہی نہ ہو گی جناب آپ ذرا سی دوا ہی کے لیے گھبرائے جاتے ہیں۔ بیٹھئے ذرا مفت کے دو چار دور چلیں۔ اس میں مزا ہے یا گھر جا کر پڑ رہو گے اس میں؟

الٰہ بخش۔ یہ سب آپ کا مہربانی ہے اور کہیں پی لے گا جا کر آپ لوگ بیٹھ

ہے ام گریب (غریب) ہی سہی۔

ڈاکٹر۔ (مذاقاً) گریب (غریب) کیوں ہوا۔ تمہارے پاس تو اکسیر ہے۔ یہ شیخ جی بولتا ہے جی۔ (پھر سب ہنسنے لگتے ہیں)۔

شیخ جی۔ (ذرا گرم ہو کر) صاحب! میں نے کوئی ایسی ویسی بات تو کہی نہیں جو آپ لوگ ہنسی میں ٹالے دیتے ہیں۔ اگر اکسیر میں یہ خاصیت نہ ہو جو میں نے بیان کی ہے تو جو چور کا حال وہ میرا حال۔

ڈاکٹر۔ او مائی فرائینڈ (او میرے دوست) تو یہ تم کیسا جانا کہ یہ اکسیر ہی ہے۔ اکسیر دیکھا ہے تم کبھی؟

شیخ جی۔ دیکھا کہاں صاحب! دیکھتے تو آپ اور ان کی نوکری کرتے پھرتے دوکانداری کیوں سیکھتے؟ ان حالوں سے کیوں ہوتے؟

ڈاکٹر۔ فر کس طرح جانتا ہے تم؟

شیخ جی۔ (الٰہی بخش اور پربھو کی طرف اشارہ کر کے) ان کے بیان سے دوا کی تاثیر سے۔

ڈاکٹر۔ کیا تاثیر ہے دوا کا؟

شیخ جی۔ یہ ہی کہ اس پہ پندرہ سیر گھی پی جائے گا اور آدمی کا رونگٹا بھی میلا نہ ہوگا بلکہ دگنا تندرست ہو جائے گا۔

ڈاکٹر۔ چلو کھاموس رہو۔ تم بات کرتا ہے فرد پھر) کا ئیل (قائل) ہوتا ہے تو اور اور جگہ بجا گنا پھرتا ہے۔ ابی بولا کہ دوا کا تاثیر دوا کا گرمی کرنا سردی کرنا خشکی کرنا ہوا کہ پندرہ سیر گھی پی لینا ہوا وہ تو اس کا بدلہ ہوا اس کے زور گھٹانے کے واسطے ہے۔

شیخ جی۔ خیر جی اب یہ بدلہ سہی یا کچھ ہی مگر سو بسوئے تو یہ اکسیر ہی ہے۔

ڈاکٹر۔ (ہنس کر) اچھا گم (غم) کھاؤ کوئی سن لے گا تو ابھی تم اور ہم سب پکڑا جائے گا کیونکہ اکسیر ہے ہمارے پاس۔

چاپی بوتل لے آتا ہے۔ ڈاکٹر بوتل لیتے ہوئے دوا کی پڑیا میز پر رکھ دیتا ہے اور اس کے میز پر رکھتے ہی وہ دوسرا ہندوستانی شخص جو اسی بدمعاش کمپنی کا ممبر ہے اسے خود اٹھا لیتا ہے اور چٹکی سے مل کر شیخ جی کی طرف دیکھنے لگتا ہے دونوں کی آنکھیں چار ہوتے ہی شیخ جی کی داہنی آنکھ دانستہ جھپک جاتی ہے (جسے آنکھ مارنا کہتے ہیں) اور اس اشارے کے ساتھ دوا کو چٹکی سے ملنے والا آدمی یہ کہہ بیٹھتا ہے۔

ہندوستانی۔ صاحب بے شک یہ کوئی انوکھی چیز ہے۔ ہم نے تو آج تک اس رنگ کی دوا کوئی دیکھی نہیں۔ یہ تو ایسی سفید اور نرم ہے جیسے بگلے کے پر۔ ضرور صاحب! اسے ضرور آزمانا چاہیئے۔

شیخ جی ۔ میاں! یہاں کسی کو یقین بھی آتا ہو ہمیں سب ہنسیوں ہی اُڑا دیتے ہیں۔ (دوا اپنے ہاتھ میں لے کر روغن گر کی طرف کر دیتا ہے) ہاں دیکھو تو سیٹھ! بالکل ایسی ہے جیسے سفید کھانڈ۔

روغن گر۔ (اپنی چٹکی میں لگا کر) ہاں شاب! کوئی نہ کوئی ہیچ (چیز) جرور ہے۔

راوی۔ واہ کیا پرکھا ہے۔ کوئی نہ کوئی چیز ہونے کی بھی کیسی کہی۔

ڈاکٹر۔ (گلاس لے کر) لو جی ہیں! الگ کرو اس کو۔ یہ ہمارا سیک جی صاحب (شیخ جی) اسی مافک گپوٹیشن اُڑایا کرتا ہے۔

شیخ جی۔ اچھا صاحب! غپ ہی سہی۔ چاہے کچھ بھی ہو میں تو اسے ابھی ابھی پیسہ پر آزماتا ہوں۔

ڈاکٹر۔ پر پہلے (پہلے) یہ ایک ایک پیگ ہیوڑ فرسونا بنانا یا چاندی یہ تو یہ کہتا رہتا ہے اور شیخ جی جلدی سے دوڑ کر دوکان میں سے ایک حقّہ اُٹھا لاتے ہیں۔ اتنے میں یہاں دو رِ چل چکتا ہے اور ذرا لے تازہ سرور کا اثر اہلِ محفل کی آنکھوں پر بھی برسنے لگتا ہے۔

شیخ جی۔ لیجئے صاحب! اب آزماتا ہوں۔ لانا بھئی وہ دوا کی پڑیا۔ (ہاتھ بڑھا کر ہندوستانی آدمی سے لے لیتا ہے)۔

پیر بھو۔ دیکھئے شیک جی (شیخ جی) ام دوائی کھراب کرنے کے واسطے نکیر

سے نہیں مانگ لیا آیا۔ اس میں کوئی بات ہے یا کہ نہیں آپ ہم کو۔۔۔

شیخ ۔ (بات کاٹ کے) میں نے آپ سے نہیں لی ۔ آپ مجھ سے مانگنے والے کون؟

پربھو ۔ (ڈاکٹر سے) لاؤ شاب آپ!

ڈاکٹر ۔ (ہنس کر) او یوفول شیک (شیخ) اس کو دک (دق) نہ کرو جی۔

اس کا وہ پڑی (پڑیا) دے دو۔

شیخ ۔ ٹھہریئے دیتا ہوں جناب!

جتنی دیر میں یہاں پربھو اور ڈاکٹر صاحب کی سفارش اور تقاضا

ہوا ہے اتنی دیر میں اس نے چلم کے دہکتے ہوئے کوئلے ہٹا پیسہ

توے پر جما سب کی سب دوائی اس پر تڑک آگ برابر کر دی اور

لگا دم مارنے۔

الٰہی بخش ۔ اے دیکھو شیٹھ! یہ کوئی اچا (اچھا) بات نہیں کیا تم لوگ۔ ابی

ام (ہم) آپس میں اسی مڈیسن کی کھاطر لڑائی کرتا تھا۔ ابی تم اس کو

آگ میں ڈال دیا۔ (سب ادھر متوجہ ہو گئے)

روغن گر سیٹھ ۔ (ہنس کر) ارے کیا تم شیک جی اپنا ہی کہا کیا؟

شیخ جی ۔ جی ہاں میں تو بغیر آزمائے اب اسے کب ماننے والا تھا چاہے

اب ان دونوں سے میری لپاڈگی ہو جائے بلا سے۔ میں اپنی دھن

کا پورا ہوں۔

ڈاکٹر۔ (بناوٹی تیز نگاہوں سے گھور کر) واہ جی! تم بڑا گدا (گدھا) کے مافک آدمی ہے۔ ام بہیں دفعہ تم کو سمجھایا تم نہ مانا۔ ایسا فتنہ باز ــــ

اس کے منہ سے بہ مشکل یہ لفظ نکلنے پائے تھے جو دفعتاً الٰہی بخش شیخ جی سے دست و گریبان ہو گیا اور ہشت مشت ہونے لگی۔ بزم سرور طوفانِ بے تمیزی ہو گئی۔ یا تو سب گھی کھچڑی بیٹھے تھے یا کچھ تو ایک طرف کھڑے ہوئے اور کچھ ان دونوں کا بیچ بچاؤ کرنے لگے۔ لیکن وہ دونوں اب ایسے گتھ گئے ہیں کہ کسی طرح ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔ آخر ان کی گتھم گتھا ہونے ہوتے حقے بچارے کی شامت آگئی۔ دونوں کے دونوں اس پر جا گرے۔ نیچہ کہیں، حقہ کہیں، چلم کہیں، توا کہیں، اس مار پیٹ میں اسی ہندوستانی شخص کی نگاہیں سب سے پہلے ان گرے ہوئے انگاروں پر پہنچیں۔ چنانچہ اس نے دوڑ کر چلم کو زمین پر سے اٹھا لیا اور چنگاریاں کرید کر کہا۔

ہندوستانی۔ آہا ہا۔ ارے میاں! تم لڑتے ہو تو لڑے جاؤ ہمیں تو اشرفی مل گئی۔

یہ اشرفی والا فقرہ کچھ ایسا ویسا تو تھا ہی نہیں۔ معاً سب کی نگاہیں

اس کے خوشی میں بڑھتے ہوئے ہاتھ کی طرف متوجہ ہوگئیں جو سوڈے کا پانی ڈال کر آگ بجھا چکا تھا۔ اور اب اس پیسہ کو جو بالکل کندن ہو گیا تھا اپنی مٹھی میں لیا چاہتا تھا۔

شیخ ۔ (اپنے حریف کی طرف خطاب کر کے) ابے ہٹ تو سہی وہ دیکھ جو ہم کہتے تھے۔ دیکھ لے سونا ہو گیا یا نہیں ؟

الٰہی بخش اسے چھوڑ کر معہ پربھو اُدھر ہی دوڑ پڑتا ہے اور اس کے دوڑتے ہی سب بچے سب اس حیرتناک نسخہ کی فکر میں پڑ جاتے ہیں جو صرف آگ پر رکھتے ہی سونا ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر ۔ (یا تو بالکل ان سے فرنٹ تھا یا اب بہت ہی نرم آواز میں جسے پاس والے بھی نہ سن سکیں) او۔ او بابُو! تم سب بیٹھ جاؤ۔ ٹھیرو۔ ٹھیرو۔ ہم ابھی لے سے دیکھے لیتا ہے گھیری کس واسطے کرتا ہے۔

یہ کہتا ہوا فوراً آگے بڑھ جاتا ہے اور وہ پیسہ اس ہندوستانی کے ہاتھ سے چھین کر غور سے دیکھنے لگتا ہے۔

شیخ ۔ (برابر آکر) دیکھ لیجئے۔ سونا ہے بالکل سونا۔ اصل کندن۔

ڈاکٹر ۔ اے چپ لگاؤ۔ نان سنس! کیسا پاگل آدمی ہے (سیٹھ روغن گر کو الگ لیجا کر) جرا (ذرا) دیکھیں آپ ہم تو جانتا ہے کھرا ہے۔

دیکھئے آپ دیکھئے۔

سیلبٹھ۔ (انگوٹھے کے ناخن پر اچھال کر) ارے باپ رے شاپ! یہ تو طل سم (طلسم) ہو گیا۔ کھرا سونا (اپنے ساتھی کو بلا کر) ارے دیکھو محمد علی! فکیر کا دوائی۔ وا اب تک دنیا میں بوت بوت ولی لوگ پڑا ہے۔ دیکھو کھرا سونا ہو گیا۔

محمد علی۔ ہم کو دکھاؤ سیٹھ ہم کو (پیسہ ہاتھ میں لے کر جلدی جلدی خوب پرکھتا ہے اور پھر) پر یہ آواج (آواز) تو ٹیک (ٹھیک) ہے لیکن بیچ میں سے اس کا جی گر (جگر) ٹیک نہیں ہو گا۔

شیخ اور پربھو۔ (جواب برابر آچکے تھے) یہ بھی ڈبکا کیوں رکھو۔ بیچ میں سے کاٹ ڈالو۔

ڈاکٹر۔ اچھا اچھا صبر صبر (صبر) (پیسہ سیٹھ کے ہاتھ سے لے کر) آؤ سب کا سب چپکا بیٹ کے ما فک (موافق) بیٹھ جاؤ۔ ہم یہ بھی دیکھے لیتا ہے۔

پھر سب برابر برابر کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں اور ڈاکٹر جیب میں سے ایک ولائتی چاقو دو پھلا نکال کر میز پر ٹکا زور سے پیسے کے دو ٹکڑے کر ڈالتا ہے۔ اندر سے بھی کھرا سونا جھل جھل کرنے لگتا ہے

اور سب کے سب کوئی ایک منٹ کے لیے بالکل ہک و بک رہ جاتے ہیں۔

پربھو۔ (سب کو سکتے میں دیکھ کر نہایت ہی افسوسناک آواز میں) ہائے تکدیر (تقدیر) ہمارا ایسا ولی اللہ مل گیا۔ ایسا اکسیر دے دیا اور اس کو یوں گما دیا۔

الٰہی بخش۔ ہائے او باپ رے باپ! ایسا چوک کھایا۔ ایسا جانتا تو پہلے (پہلے) ہی دس بیس من تانبے پر ڈالتا جو سب (سب) سونا ہو جاتا۔

شیخ جی۔ (بہت ہی بے چینی سے) کیوں بھئی! تو وہ فقیر صاحب رہتے کہاں ہیں؟ بھائی میں تو ابھی چلتا ہوں مجھے لے چلو ان کے پاس۔

ڈاکٹر۔ بے شک، ہم بھی چلے گا۔ ہم تو پہلے مسکھری (تمسخر) سمجھتا تھا پر اب یکین (یقین) آیا۔ او مائی فرینڈ۔ یہ تو بڑا کمال کا بات ہے۔ کیوں سیٹھ؟

سیٹھ روغن گر۔ ہو۔ ہو (ہاں ہاں) بائی شاب! ام نے کبھی اس رکم (رقم) کا آدمی نہیں دیکھا۔ بڑا کمال۔ بڑا کمال۔

ہندوستانی۔ لیکن ضرور اس صاحب کرامات کی زیارت کرنی چاہیئے یہ دوائی نہیں دی اس نے کرامت دکھائی ہے۔ واہ وا۔ سچ۔ ہے فقیر چاہے تو بوٹی کو اکسیر بنا دے۔ پتھر کو پارس کر دے۔

مردانِ خدا خدا نہ باشند

لیکن ز خدا جدا نہ باشند

حقیقت میں سچ کہتا ہے الٰہ بخش۔ اگر اس وقت سو من تانبے پر بھی یہ دوا بُرک دی جاتی تو وہ بھی اسی وقت سونا ہو جاتا۔ اللہ اکبر۔ کیا کرامات ہے۔ واہ وا۔ واہ۔

سیٹھ روغن گر۔ برابر۔ برابر چوک ہو گیا شب سے۔ پر کیا جانتا تھا ام لوگ کہ ایسا پہنچا ہے یہ؟

شیخ۔ اجی میں تو بہتیرا کہہ رہا تھا کہ بھائی یہ فقیر کی بوٹی ہے فقیر کا تبرک ہے اس میں بڑے بڑے جوہر ہوں گے مگر میری کون سنتا تھا سب نے مذاق میں اڑا دیا اور ہمارے یہ صاحب بہادر تو بیس بیس دفعہ تیوریاں بدلنے لگے تھے۔ تو بڑا بے وقوف ہے۔ تو بڑا گدھا ہے۔ یہ ہے۔ وہ ہے۔ ہزار باتیں سُنا دیں۔ وہ تو یہ کہیے میں ہی سا ایسا بے حیا تھا کہ ان کی ہزاروں سُنا کیا اور پروانہ کی ہمت اپنی رکھی اور آزما ہی کے چھوڑا لیکن ہائے اب جانے وہ فقیر صاحب پھر کبھی ملیں یا نہ ملیں۔ کیوں بھئی الٰہ بخش؟

الٰہ بخش۔ ارے ہٹاؤ تم لوگ۔ ام کو بھی سب بات سے رکھا اب کہاں جائے

کیا کرے۔ ہمارا دل جل کے بھار (بھاڑ) کی مافک ہو گیا۔ بھاڑ (بھاڑ) کی۔ اُوپر سے بولتا ہے فکیر اب کہاں ملے گا؟ کہاں تمہارا سر ہیں؟

شیخ ۔ ہاں یار! تم بھی سچ کہتے ہو۔ بے شک مجھ سے بڑی غلطی ہوئی کہ میں نے بغیر سمجھے بوجھے اس اکسیر کی پڑیا کو آگ میں جھونک دیا۔ لیکن بابا! اب تو اتنا تو بتا دے کہ وہ سائیں صاحب پھر بھی کہیں مل سکتے ہیں؟

اللہ بخش ۔ فردہی گوال مال بولتا ہے۔ او خدا تم کو سونا پڑے قبرستان اُٹھ جائے۔ ام کب جانتا ہے اس سائیں لوگ کو۔ تم سے بولا نہیں تھا کہ گڑگاؤں کی طرف ہمارے ایک منز نے دو ایک دفعہ گھومتا دیکھا ہے۔

شیخ ۔ گڑگاؤں۔ اچھا چلو۔ اسی وقت گڑگاؤں ہی چلو کیونکہ تمہیں اس سے ملے ہوئے اب کتنی دیر ہوئی ہو گی؟ نہیں کچھ ایسی دیر نہیں ہوئی۔ لاؤ سیدھے گڑگاؤں کے سب گاڑیاں کر کے چلے چلیں۔ شاید مل جائیں شاہ جی۔

پیر بھو ۔ او بابا۔ اب وہ فکیر وہیں بیٹھا ہے جہاں ہم کو ملا تھا وہ گیا ہوا کی مافک کہیں کا کہیں۔ ایسا لوگ ہر وقت ایک جگہ کبھی نہیں ملتا۔

ڈاکٹر ۔ لیکن کیا ممکن نہیں کہ گڑگاؤں چل کر وہاں کے لوگ باگ ہم کو بتائیے

کہ وہ کہاں رہتا ہے۔

سیٹھ روغن گر۔ ایسا ٹھیک (ٹھیک، نہیں۔ کوئی پتا (پتہ) تو ہے ہی نہیں۔

فرڈھونڈیگا کہاں، پوچھے گا کس سے؟

شیخ۔ کیا ڈر ہے۔ آپ لوگ چلیں تو سہی اور آپ نہ سہی، صاحب ہیں تو ضرور ابھی ابھی اسی دم جاتا ہوں پوچھنا گچھنا کیا۔ ڈھونڈتے ڈھونڈنے تو خدا بھی مل جاتا ہے۔ (کرسی سے اُٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے)۔

ڈاکٹر۔ (سوٹے کا ٹکڑا میز پر بجا کر) ارے ٹہرو تو ٹہرو تو کیا بے صبر (صبر) آدمی ہے۔ تم سیٹھ کا کہنا نہیں سُنا بے پتے کدھر جائے گا؟

شیخ۔ دیکھئے صاحب! یہ وہ بات نہ ہو کہ میں اکسیر ہوتے ہیں اصرار کرتا تھا اور آپ مجھے جھٹلاتے تھے۔ دھمکاتے تھے۔ اور میں چپکا ہو رہتا تھا۔ اب میں سب باتوں کا امتحان کر چکا ہوں، میں ہرگز اب کسی کی نہیں سُننے کا چاہے شاہ جی اس وکت (وقت) ملیں یا نہ ملیں میں تو تمام مسجدیں، تمام بنگلے، کمرے، چالیس سب چھان ماروں گا۔ اب نہیں ملیں گے کل نہیں ملیں گے، پرسوں نہیں ملیں گے، دس دن میں، ملیں دن میں۔ مہینہ چھ مہینے، برس دن، دس برس کبھی نہ کبھی تو ملیں ہی گے۔ مثل مشہور ہے "جوئندہ یابندہ" بس صاحب میں ہوں اور آج

شاہ جی کا خیال۔ ہائے ایسا شخص ہاتھ لگ جائے تو پھر بھلا کس بات
کی کمی ہے۔ دن رات ہیں ہزاروں کے وارے نیارے ہوتے رہیں۔
ذرا سا سفوف چاہیے جتنے تانبے پر جی چاہا ڈال کر چرخ دے لیا اور
کھرے کر لیے واہ واہ۔ تو صاحب! خدا حافظ۔

ڈاکٹر۔ اچھا اچھا سنو۔ ٹھیرو (ٹھہرو) (سیٹھ کے کان میں چپکے سے) سیک (ریخ) بات تو ڈھکانے کی بولتا ہے۔ کوشش عجب چیج (چیز) ہے۔

روغن گر۔ پر شاب! وہ کیسا مل سکتا ہے فکیر؟

ڈاکٹر۔ (ہنس کر) او۔ واکنگ ہی سہی اتنی دور کا۔ چلو سب کے سب پارٹی گڑگاؤں تک ہو آئے۔

روغن گر۔ (نہایت ہی سادگی سے) اپنا کام بڑا ہرج ہوگا وہ مہمان کے واسطے بولا ہے نا ایسے؟

ڈاکٹر۔ او سب دیکھا جائے گا۔ مہمان اپنا گھر ہیں ہوگا۔ کیا تمہارا اور کوئی بھائی بند اس کا کھاطر تواجہ (خاطر تواضع) نہیں کرنے سکتا؟

روغن گر۔ نہیں یوں تو ہمارا چھوٹا بائی گھر پر ہے۔ لیکن ہمارا ابھی جانا جروری تھا (ضروری تھا)۔

ڈاکٹر۔ او مائی فرائنڈ۔ چلا جانا فرگھری کیا ہے؟ جرا دیکھیں تو سہی اس

سادھو لوگ کو۔

روغن گر۔ (مسکرا کر) اچھا یہ ہے تو یہ ہی چالو۔

ڈاکٹر یہ باتیں کر کے دفعتاً کھڑا ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی سب۔

۹

"مالِ حرام بود بجائے حرام رفت"

ایک چمکیلا دن۔ رانی باغ۔ اندازاً کوئی سات بجے ہوں گے صبح کے۔ لب سڑک بڑے پھاٹک پر ایک جمِ غفیر لگا ہوا ہے اور بیچ میں سب کے ایک بلبل کا پنجرا ایک ولائتی لیے بیٹھا ہے۔ بسنتی پنجرے پر چڑھی ہوئی ہے اور اندر سے وہ خوش الحان پرندبیلیٔ پردہ نشیں بنا ہوا چہک رہا ہے۔ مالک کی وضع ایرانیوں کی سی ہے کیونکہ اس کا شبر خانی بڑا پاجامہ۔ سیاہ لمبی آستینوں دار شیروانی آگے سے چھوٹی اور پیچھے سے اٹھی ہوئی ٹوپی بتا رہی ہے کہ ضرور یہ قند پارس کی چاشنی چکھے ہوئے ہے۔ اس کے گورے چٹے پنڈے پر فرطِ شرم میں اس وقت پسینہ آگیا ہے۔ ٹوپی نے ماتھے کا بہت سا حصہ چھپا لیا ہے

مگر پھر بھی یہ فراخ پیشانی اور ایک حوصلہ مند نوجوان معلوم ہوتا ہے۔ بلبل کے ہر چہچہے پر یہ تڑپ تڑپ جاتا ہے۔ گلاب کے پھولوں کا وہ پیارا پیارا گلدستہ جو اس کے داہنے ہاتھ میں ہے برابر بلبل کے قریب لیجا لیجا کر ہٹا ہٹا لیا جاتا ہے۔ کسی ستم رسیدہ کا مشام جان تازہ ہو ہو کر یا بوئے دلدار پا کر بیتاب ہو ہو کر عرض حال کرنا مزا اٹھا رہا ہے۔ اس کی بے چینیوں پر یہ نوجوان مٹا ہوا سمجھو۔ جہاں وہ ذرا تھما اور اس نے ان پھولوں کی خوشبو سنگھائی، سونگھنا تھا کہ وہ دلدادہ پھر تڑپ تڑپ کر کوئل کی طرح سے کوکنے لگا۔

ایک اجنبی۔ (ولایتی سے) کیوں صاحب آغا جی! یہ اصل بلبل ہے نا؟

آغا۔ اصل و نقل چہ بابا۔ بلبلے است ہزار داستان۔ واللہ کہ اگر گل کندہ پیشش نہم حالا بمیرد (اصل و نقل کیا بابا ہزار داستان بلبل ہے، واللہ اگر پھول توڑ کر اس کے آگے رکھوں تو ابھی جان دیدے)۔

ایک سمجھدار۔ اوہ۔ یہ غضب کا اثر پڑے گا اس پر؟ اللہ رے عشق (دوسروں سے) لو میاں! آغا کہتے ہیں ابھی کوئی پھول توڑ کر اس کے پنجرے میں ڈال دو۔ ابھی چیخ چیخ کے اپنا دم دے دیگا۔

تماشائیوں کے مجمع میں سے ایک انگریز جالی کرچ لگائے آگے

بڑھ کر ۔

انگریز ۔ او یو! کیا بات ہے؟

اسے دیکھتے ہی کائی سی پھٹ جاتی ہے اور چلنے آنے جانے والے

تھے سب مودب ہو کر اِدھر اُدھر کھڑے ہو جاتے ہیں ۔

ایک تماشائی ۔ حضور! ان کے آغا کے پاس ایک بلبل ہے ۔ وہ ہزار ہا قسم

کی بولیاں بولتا ہے ۔

انگریز ۔ بُل بُل ۔ کیسا؟ کون چیز ۔

تماشائی ۔ صاحب! ایک جانور ہوتا ہے ۔ اسے دیکھئے، وہ پھر بولا ۔

اس کی خوش الحانی پر سب تو لوٹ تھے ہی ۔ صاحب بہادر بھی

لٹو ہو گئے ۔ جھٹ آگے بڑھ کر لبستنی پر ہاتھ ڈال دیا ۔

آغا ۔ (غضب ناک تیوروں سے ہاتھ جھٹک کر) باش باش دیوانہ؟

تماشائی ۔ او آغا! دیکھئے دو دیکھئے ۔ کوتوال صاحب ہیں ۔ یہ کوتوال صاحب

ہیں ۔ ہوش کرو ہوش ۔

آغا ۔ بلے! می دانم کوتوال ہست ۔

یہ کہہ کے پھر چپکا ہو گیا اور کوتوال صاحب اپنے حکومت کے نشے میں

چاہتے تھے کہ کچھ زجر و توبیخ کریں جو دفعتاً ایک شخص نے برابر آ کر کہا ۔

"سلام صاحب، حضور سلام۔"

کوتوال۔ (اس کی طرف دیکھتے ہی) ہیلو مسٹر بابو! تم کہاں تھا کئی روج (روز) سے؟

بابو۔ حضور تھا تو یہیں۔ لیکن بس اسی فکر میں تھا۔

صاحب بہادر بلبل کا دیکھنا اور ایرانی کی سرکشی کو تو بھول بھال گئے اور سیدھے اس مجمع میں سے نکل رانی باغ کے دوسرے دروازے پر جہاں ان کی ٹم ٹم کھڑی ہوئی تھی، چلے آتے ہیں۔ پیچھے پیچھے بابو بھی دم چھلا بنا ہوا چلا آتا ہے۔

کوتوال۔ (اپنی گاڑی پر بیٹھ کر) لاؤ کدھر ہے؟ اب کے تم بڑا دیری کیا۔

بابو۔ بے شک دیر تو ہوئی صاحب! لیکن آپ جانتے ہیں ہر وقت تو لکھ پتی کے بھی پاس نہیں ہوتا۔ پرسوں سے آج تک بس اتنا انتظام ہو سکا ہے۔ اب تو آپ اسی کو منظور کریں۔ پھر آٹھ دس دن میں اور کچھ حاضر کروں گا۔ گروجی نے سلام کہا ہے اور عرض کیا ہے کہ اس وقت تو یہی قبول کر لیجئے۔ (کرنسی نوٹ آگے بڑھا دیئے گئے)

کوتوال۔ (صرف پانچ قطعے سو سو کے دیکھ کر) یہ تو صرف ہمارا تنکھا (تنخواہ) ہے اور باکی (باقی) سب لوگ کا؟ ہم نہیں جانتا۔ ہم اپنا تنکھا پالیا۔

دوسرا لوگ ڈپٹی انسپکٹر وگیرہ (وغیرہ) اور تمام سپاہی کو تم روک سکتا ہے۔

بابو۔ (گڑگڑا کر) بھلا حضور ہم اور صاحبوں کو کیونکر سمجھا سکتے ہیں۔ آپ ہی کو اختیار ہے۔ آپ ہی جس طرح کہیں گے وہ لوگ مان ہی جائینگے گنگا جی قسم پرمیشر جانتا ہے ہم لوگ آج کل بہت ہی تنگ ہیں نہیں تو آپ جانتے ہی ہیں کبھی پہلے ایسا ہوا ہے۔ آپ کا حق تو ہم سب سے پہلے . . . . .

کوتوال۔ (بات کاٹ کے) نیور مائینڈ (کچھ پروا نہیں) مائی ڈیر! ہم اس کا کیا علاج کرے۔ تم ان لوگ کو آپ سمجھائیے۔ ہم سے کیا واسطہ۔ ہم اپنا حک (حق) لے چکا اب تم جائیے۔ اچھا سلام۔

بابو۔ (گھوڑے کی باگ تھام کر، ہاتھ جوڑتے ہوئے) حضور! ذرا میری بات تو سنیں سمجھیں تو آپ۔

کوتوال۔ بولو۔ بولو۔ جلدی بولو۔ ہمیں روزنامچہ لکھنا ہے جا کر، دیری ہوتا ہے۔

بابو۔ بولوں کیا؟ اب تو آپ رحم کیجئے ہم پر۔ میں سچ کہتا ہوں ہم لوگ آجکل بڑے تنگ ہیں۔ نہیں تو کبھی حضور کے قبضے سے انکار نہ کرتے۔

کوتوال۔ او یو بلیڈی آس (او تم گدھے) تمام شہر کو روز لوٹتا ہے تم لوگ اور پھر بولتا ہے کہ ہم تنگ ہے۔ تنگ ہے۔ تنگ ہے تو اپنا سر کھاؤ جا کر۔ ہم کو کیا؟ ہمارے واسطے ابھی اور بہت چاہیئے۔ جب ہم سب کو دے سکے گا۔

بابو۔ تو صاحب! اب اس وقت تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ کل پرسوں تک میں اور سو دو سو حاضر کر دوں گا۔ نہ ہو تو کہاں سے لاؤں۔ آپ تو خفا ہو جاتے ہیں ذرا سی دیر میں۔

کوتوال۔ (کسی قدر نرم ہو کر) اچھا اچھا دو دن کا فرصت۔ فر (پھر) چار سو دوسر لے آؤ۔ بس سلام۔

بابو۔ سنیئے تو۔ میں تو پورے پانسو لاتا لیکن ہوں بھی۔ آجکل کوئی آسامی بھی تو نہیں گھٹتی۔ پرسوں اترسوں تک دو سو روپیہ اور لاؤں گا۔ اب تو آپ یہ لے لیں اور اپنے حلقوں میں حصہ رسد بانٹ دیں۔ باقی میں پھر حاضر کر دوں گا۔ (بہت ہی گڑگڑا کر پھر ہاتھ جوڑتے ہوئے) حضور! بس اب تو آپ مان ہی جائیں۔

کوتوال۔ اچا فر (اچھا پھر) کب لائے گا وہ دو سو روپیہ۔ کل تک؟

بابو۔ جی نہیں۔ کل تو کسی طرح بھی نہیں ہو سکتا۔ ہاں پرسوں اترسوں

بے شک ضرور۔

کوتوال۔ پرسوں اترسوں کیا؟ یعنی پرسوں کا دوسرا کل؟

بابو۔ (مسکرا کر) جی ہاں! آپ سمجھ تو گئے۔

کوتوال۔ نہیں نہیں۔ اتنے دن ہم ان لوگ کو نہیں ٹال سکتا۔ بہتر ہے تم پرسوں لے آؤ۔

باگیں کھینچ لی گئیں۔ گھوڑے پر ہنٹر پڑا اور صاحب بہادر نوٹوں کو جیب میں ڈالتے ہوئے یہ جا وہ جا ندارد۔

۱۰

"چلو جی بس رہنے دو۔ آپ فطرت میں بھی دخل دیتے ہیں"

گڑگاؤں۔ وکٹوریہ ہوٹل اور اک عالی شان کمرہ۔

ترکی قونسل۔ (جیسے کئی دفعہ اک نئے دوست سے ملنے کی عزت حاصل ہو چکی ہے) پیارے تاج! تم نے حقیقت میں بڑا ہی کمال کیا ہے کمال کیا؟ تم نے وہ کارِ نمایاں دکھایا ہے جو قیامت تک صفحہ ہستی پر یادگار رہے گا۔ بے شک تم بڑے جواں مرد اور پورے دلیر ہو۔

"تاج یاوری دوشیزہ گوہر۔ (اس آرام چوکی پر بیٹھ کر جس کے پہیے ہر طرف پھر سکتے تھے) یہ تو آپ کی محبت ہے۔ آپ میرا دل بڑھاتے ہیں۔ کام تو جب ہوا سمجھیئے جب میں اپنی مراد کو پہنچ جاؤں۔

ترکی قونصل۔ بسرِ شما۔ میں سچ کہتا ہوں۔ حقیقت میں آپ بڑے ہی ہمت والے نوجوان ہیں۔ میں نے کل کی چٹھیوں میں جو نواب لفٹننٹ گورنر بہادر، صاحب انسپکٹر جنرل، صاحب کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس کی خدمت میں لکھی گئی ہیں آپ کی طرف فوری توجہ کرنے کے لیے بڑے زور سے لکھا ہے میرے دوست! اب تمھیں کل کے لیے آج ہی سے تیار ہونا چاہیئے۔ تمھیں کل رات کے ٹھیک تین بجے اس خوفناک جگہ پہنچ کر مگرمچھ میں بیٹھ جانا چاہیئے۔ میرے ان لفظوں کو لوحِ دل پر نقش کر لو پیارے تاج! مجھے یہ ڈر ہے کہیں تم وقت ٹھیک نہ دو اور ہم تمھاری مدد کو دیر میں پہنچیں۔ ہائے پھر یہ پیاری صورت۔

گوہر۔ نہیں نہیں۔ ہرگز نہیں۔ مشیت الٰہی دوسری چیز ہے ورنہ میں حتی الوسع ٹھیک تین بجے مگرمچھ میں لیٹ کر پیرنا شروع کر دونگا اور زیادہ سے زیادہ آدھ گھنٹہ بعد تمھیں میری مدد کو اس سمندری جبل تک پہنچ جانا چاہیئے۔ ہائے کونسا جبل؟ جس میں میرا پیارا بھائی، جس نے میری ماں کے پیٹ میں ہاتھ پاؤں پھیلائے ہیں اس چوبیس پچیس دن میں سوکھ کر کانٹا ہو گیا ہے۔ آہ! جس

ہیں اس کا نہ کوئی ہمدم ہے نہ رفیق۔ نہ دوست ہے نہ ندیم۔ وہ رات دن ایک لوہے کے تختے پر بیماروں کی طرح پڑا رہتا ہے۔ ہائے ان ہاتھ پیروں میں جو پھول سے زیادہ نازک تھے، موٹی موٹی رسیوں کے نشان پڑ کر پکا پھوڑا ہو گئے ہیں۔ آہ! اس کے گلے میں وہی میلے کچیلے کپڑے ہیں جو اس ناشدنی شکار والی رات کو وہ پہنے ہوئے تھا۔

یہ کہا اور بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

ترکی قونسل۔ (سامنے والی کرسی پر سے بے تابانہ اُٹھ کر) یہ کیا؟ یہ کیا؟ میرے معزز دوست! میرے حوصلہ مند نوجوان! تم جیسا بہادر آدمی اور یوں بچوں کی طرح سے روئے۔ ہرگز نہیں کبھی نہ ہراساں ہونا۔ اور اب کیا رونا۔ اب تو خدا نے چاہا کل وہ چھوٹے ہوئے ہیں۔ تم نے وہ وہ کوششیں ان کے لیے کی ہیں اور رلیا رہو جو انسانی طاقت سے بہت ہی بعید تھیں۔ اب اپنی محنت کا پھل تو اُٹھاؤ میرا پیارا تاج! بس اب نہ رو۔ دیکھو! خدا کی قسم تیرے رونے سے میرا بھی جی بھر اچلا آتا ہے پیارے دوست! اب تو وہ تکلیفوں کا زمانہ گزر گیا۔ خوشی کے دن آ گئے۔ اور اگر کل کی نسبت کچھ ہراس ہے

تو مجھے اجازت ہونی چاہیئے میں تمھارا ہمراز تمھارا سچا جاں نثار، تمھاری جاں فشانیوں کا دلدادہ ہوں تم آرام سے رہو میں کل خود صبح کے تین بجے وہاں جاکر اس ملعون دگروہ) کو گرفتار اور تمھارے بھائی صاحب کو رہا کرادوں گا۔

تاج یا گوہر۔ (آنسو پونچھ کر) واہ! یہ بھی اچھی کہی۔ ساری سوئیاں نکالنے کے بعد میں انگلی کٹا کے شہیدوں میں ملنے کے لیے آپ سے کہوں گا۔ سبحان اللہ! بیٹھے تو سہی آپ اپنی جگہ۔ میں نے کس کس طرح اور کن کن چالوں سے پہلے اس جیل کا پتہ لگایا۔ اس کی بنا، اس کی کلوں کا کھولنا بند کرنا، اس کی اندرونی تمام حالتیں، پھر بارہ دن کے اندر اندر ڈوب کر، اچھل کر، غوطے کھا کھا کر راتوں کے دو دو بجے۔ تین تین بجے پانی کا کاٹنا سیکھا۔ دن کی دھوپ اور رات کی اوس سب برداشت کی حتیٰ کہ کل رات کے ٹھیک دو بجے جب وہ ظالم ان تمام بدمعاشوں کا گروہ بے ایمان بالکل بے خبر پڑا سو رہا تھا اپنی جان پر کھیل کر گیا اور صرف بتائی ہوئی ترکیبوں پر جنھیں میں نے خوب ذہن نشین کر لیا تھا۔ اس چور دروازہ کو کھولا۔ مگر مجھ سے نکل کے غوطہ لگا جھٹ پانی کی رو کے ساتھ

داخل ہوا اور پھر بہت ہی ہوشیاری سے ہینڈل بند کر دیا۔ تھوڑی دیر چپ چاپ نچلے درجہ میں بیٹھا رہا اور جب میں نے دیکھ لیا کہ میرا کام حسب مراد ہوا ہے اور وہ کافر اسی طرح خواب نوشین میں ہے، میں نے آہستہ سے اپنے جیبی لمپ کو روشن کیا اور بتاتے ہوئے نیچے درجے میں ہوتا ہوا اپنے غریب مظلوم بھائی کی وہ صورت دیکھ آیا جس کا نقشہ اب تک اسی طرح میری نگاہوں میں پھر رہا ہے۔ اور جس کی معمولی سی تصویر ابھی میں نے آپ کے سامنے لفظوں میں بھی کھینچی تھی ہائے اس وقت کیسا کیسا میرا جی لوٹا ہے کہ میں کسی طرح اسے جگا کر کل کی رہائی کا مژدہ دے آؤں اور ان دو خطوں کی بابت بھی پوچھوں جو پانچ پانچ دن کے فرق سے خاص اسی کے دستخطی بنارس سے آئے تھے۔ اور جن میں جمساجی بھیم جی کے نام یہ حکم تھا کہ ایک خاص کام کے لیے بالا ہی بالا یہاں آگیا ہوں بلکہ دس دس ہزار کے نوٹ بھی ہر خط میں طلب کئے گئے تھے۔

ترکی قونسل۔ پھر کیا تم نے وہ رقمیں بھیجدیں اسی پتے پر؟

گوہر۔ ہاں نہ بھیجتا تو کیا کرتا۔ یہی تو اس کی اب تک زندگی کا ذریعہ بنی ہیں۔ جس بدمعاش سے میں نے اس اسیری کے تمام واقعات

سُنتے تھے، اسی سے یہ بھی سُنا تھا کہ ان کے گروہ بے ایمان نے ایک نئے گروڑپتی کو اس کے ساتھی کے مار ڈالنے کے بعد اسی لیے ابھی تک زندہ رکھ چھوڑا ہے کہ وقتاً فوقتاً اس کے ہاتھ سے اس کی دوکان یا مکان سے ہنڈی پرچے یا خط پتر لکھوا کر رقمیں منگواتا رہے۔ دوسرے ان خطوں میں وہ وہ گھبرا دینے والے اور روپیہ فوراً پہنچنے کے لیے تاکیدی لفظ تھے کہ میں نے ہر خط کے پہنچتے ہی، اسی وقت اس کی تعمیل کی۔

ترکی قونصل ۔ افسوس! حقیقت میں بڑا ظلم کیا ان بے ایمانوں نے۔ بے شک یہ سب کے سب سولی کے قابل ہیں۔ ہائے ہائے پیارے تاج! یہ دوسرا ملک ہے، دوسری گورنمنٹ ہے۔ اگر ہمارا ملک ہوتا تو ہم ایسے بدمعاشوں، بے رحموں، بے دردوں کو لوہے کے پنجروں میں بند کرا کے گرم گرم آگ میں سُرخ کیے ہوئے دست پناہوں سے ان کی بوٹیاں نچوا ڈالتے۔ اچھا مسٹر تاج! پروردگارِ عالم تمھارے کام میں برکت دے۔

(یہ کہتے کہتے کسی تازہ خیال میں ڈوب کر) لیکن میرے نوجوان عالی ہمّت دوست! یہ کیا بات ہے؟ اس کو میں بارہا

تم سے پوچھ چکا ہوں اور تم ہر دفعہ ٹالا کانی دے جاتے ہو۔ آخر تمھاری آواز اتنی نرم اور دل کش کیوں ہے؟ تم اتنے شوخ کیوں ہو؟ تم اپنے سر پر سے صافہ کیوں نہیں اتارتے؟ آخر ہم لوگ بھی تو یہاں گھر میں آکر ہم کبھی اس بوجھ کے متحمّل نہیں ہو سکتے میرے پیارے! تجھے اپنے اک سچے دوست کی قسم جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تیری بے باکیوں کا دلدادہ ہے، سچ بتا دے اس میں کیا بھید ہے؟

تاج۔ (ان فقروں کے سنتے ہی جس کا کلیجہ لرز سا گیا تھا، بگڑ کر) چلو جی بس رہنے دو۔ آپ فطرت میں بھی دخل دیتے ہیں۔ سبحان اللہ! کسی کی آواز نرم ہوتی ہے کسی کی گرم کسی کی بلند کسی کی لپست۔ لو اور سنو ہم تو اپنے آلام میں مبتلا ہیں، انھیں جب دیکھو انہی فضول ڈھکوسلوں میں گذرتی ہے۔ لیجیے بس اب میں زیادہ نہیں ٹھہر سکتا۔ آپ اگر اپنی زبان کا پاس رکھتے ہیں تو اپنے کہے کو نباہیے گا ورنہ خیر خدا حافظ!

یہ کہا اور دستی بید میز پر سے اُٹھا، لنگی کلاہ سر پر درست کر، زینے سے نیچے اُتر گیا۔ شعر

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

۱۱

فتحمندی

دسمبر ۱۸۸۸ء کی اک صبح کاذب سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ایک بہادر شیر دل نوجوان سر سے پیر تک سیہ کوٹ میں لپٹا ہوا دہنے طرف کی جیب میں چھوٹا سا پسٹل دبائے، راجرس کا تیز اک پھلا مگر بہت ہی اعلیٰ قسم کا بے حد مضبوط چاقو کمر میں، بڑی تیز چال سے چیرنگ، روڈ یا چوپاٹی پہ آگیا ہے چونکہ رات کا وقت ہے سڑکیں سنسان ہیں۔ اس لیے اس نے اک جیبی لمپ بھی جلا لیا ہے اور بڑی پھرتی سے بڑھا چلا آتا ہے۔ کبھی کبھی مڑ کر اِدھر اُدھر دیکھ لیتا ہے اور رفتار کی ترقی معمول سے زیادہ ہے۔ اسی روش پر یہ انہی لال ٹینوں والے سلسلے تک بہت جلد پہنچ جاتا ہے اور

لمپ بجھا دیتا ہے۔ کھاڑی کے کنارے کنارے کسی چیز کو ڈھونڈتا ہوا گھبراہٹ میں دُور نکل جاتا ہے اور پھر چلا آتا ہے۔ بار بار گردن اُٹھا کر اس لمبے اور مضبوط تار کے کسی خاص حصّہ کو بھی دیکھ رہا ہے جو اس وقت لالٹینوں کی کسی قدر دھندلی روشنی اور رات کی تیرگی سے کم کم دکھائی دیتا ہے۔

جس جگہ یہ ہمیشہ اس چیز کو ڈھونڈ لیا کرتا تھا آج وہ وہاں تو ملی نہیں ہے بلکہ اسے کسی قدر اور دُور مٹی میں بالکل چھپا ہوا مشکل سے پایا ہے۔ جلدی جلدی مٹی ہٹائی گئی اور مگر کے خول میں بیٹھنے سے پہلے اس نے پھر ایک دفعہ لمپ کے ذریعے سے اپنی اُلٹی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھ کر معلوم کر لیا کہ اب پورے تین بجے ہیں اور میں اپنے وقت پر پہنچ گیا ہوں۔ کوٹ کے دامن گردان لیے، شلوار گھٹنوں سے اوپر تک چڑھائی گئی۔ بوٹ اُتار ڈالا اور بسم اللہ کر کے یہ پانی میں اُتر گیا، مگر کے خول کا پیچ پھرایا، خود اس میں سما گیا اور کلیں اپنا کام کرنے لگیں اور دھڑکتے ہوئے دل، منہ کو آتے ہوئے کلیجے، تھرتھراتے ہوئے ہاتھ پیروں کو لیے ہوئے یہ آناً فاناً میں بے تعداد پانی پر تھا۔

سردی کا موسم، اضطراب کا وقت، خوف کی حالت، تینوں اس روح فرسا تھے۔ ہر دفعہ سب سے بڑا یہ خوف تھا کہ کہیں جس کی کمین میں خود جا رہا ہوں

وہ میری ہی فکر میں نہ جاگ رہا ہو۔ بہزار اضطراب وہ مذکورہ بالا بُعد طے ہؤا اور یہ اب اس آہنی مکان کے ارد گرد چکر لگا رہا ہے۔ زیادہ تامل کی وجہ یہ ہے کہ وقت گزرتا جا رہا ہے اور کھاڑی کے کنارے پر ابھی تک اس کی مدد کے لیے کوئی نہیں پہنچا۔ آہ! کیا نزکی قونسل نے بھی دغا کی؟ ہائے کیا اس کی وہ سچی پاکبازانہ محبت بھی جھوٹی نکلی؟ نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ پاکباز دل اور مُنہ سے کہہ کر بات کو نباہنے والے ایسے نہیں ہوتے۔ اور بر تقدیر ایسا ہو بھی تو کچھ پروا نہیں میں آج پھر اس خوفناک جیل میں دلیرانہ قدم رکھتا ہوں۔ یا مر دوں گا یا مار دوں گا اور اپنے پیارے بھائی کو اس مصیبت سے نکال لاؤں گا۔ مروں گا تو بہادرانِ اسلام کی فہرست میں میرا بھی نام ہوگا اور اگر زندہ سلامت اپنے ماں جائے کو بچا لایا تو گورنمنٹ عالیہ کی طرف رجوع کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان ناپاک بد اندیش، جفا پیشہ فریبیوں اور دھوکے بازوں کو جڑ اور بنیاد سے کھود دوں گا۔

یہ فقرے تھے جو اس بہادر نے اس سمندری جیل کا دروازہ کھولنے سے پہلے دل ہی دل میں ادا کیے اور ان کے ختم ہوتے ہی یہ فوراً نہایت مستعدانہ تیوروں سے اپنے مصنوعی جسم کو پھینک کر دروازہ کھول شلائین سے اندر چلا گیا۔ آہنی کواڑ پھر اک معمولی آواز کے ساتھ بند ہو گیا اور اس

کے ساتھ گیا ہوا پانی اُونچا ہوکر واٹر پمپ کے ذریعے سے باہر نکلنے لگا۔ اِدھر دلبر نوجوان نے پہلا درجہ طے کرکے دوسرے کے شروع میں اوپر کی طرف کان لگا دیئے اور اس سے اطمینان کرکے کہ سوائے نفیر خواب کے اور کوئی تشویشناک اشارہ محسوس نہیں ہوتا یہ تمنزلے پر چڑھنے لگا۔ جہاں وہ بخت گیر بدبلا ظالم فقیر اپنے قیدی کو سامنے فرش پر سونے کی اجازت دے کر خود بھی کروٹوں پر کروٹیں لے رہا تھا۔

جوں ہی اس نے پہلے زینے پر قدم رکھا، باہر کی سبزی پر نظر ڈالتے ہی دیکھا کہ ایکا ایکی تیرہ و تار کھاڑی میں متعدد روشنیاں پیدا ہونے لگیں اور سب کا رُخ اِدھر ہی کو تھا۔ یہ دوڑتی ہوئی لائف بوٹس تھیں جو آناً فاناً میں اپنی اصلی صورتیں دکھانے لگیں۔ ان کا جیل کے قریب پہنچنا تھا کہ چوپاٹی کے کنارے پر کچھ گھوڑوں کے سرپٹ دوڑنے کی بھی آواز آئی اور اس سے پہلے کہ صاحب انسپکٹر جنرل، ڈپٹی کمشنر، سپرنٹنڈنٹ پولیس اور صاحب مجسٹریٹ ضلع معہ دس مسلح ہیڈ کانسٹیبل اپنی اپنی کشتیوں میں سے کود پڑیں فوراً دو خالی کشتیاں کنارے پر دوڑائی گئیں اور ان سب کو موقعہ کا پتہ بتا کر اپنے سامنے پانی کے رستہ سے روانہ ہونے والا وفادار ترکی قونسل معہ ایک دوسرے فوجی افسر کے جو اس کا سچا ہوا خواہ تھا ان میں بیٹھ کر

سمندری جیل کا نصف راستہ طے کر لیتا ہے۔

ادھر اپنے حوصلہ میں کامل اپنی دھن کا پکا نوجوان چپکے چپکے تیسرے درجے میں جا پہنچتا ہے۔ یہاں جا کر کیا دیکھتا ہے کہ وہ بے درد تو اک عمدہ نرم مخملی گدیلے پر خراٹے لے رہا ہے اور اس کا غریب بھائی لوہے کی چادر پر رسیوں میں جکڑا ہوا پڑا ہے۔ اس میں مارے نقاہت اور پچیس دن کامل اسیر رہنے کے ہلنے جلنے کی بھی طاقت نہیں ہے۔ یہ دیکھتے ہی اس نے پھر ایک طرف ہو کر جیبی لمپ جلایا اور اسے کونے میں رکھ کر اسی طرح دبے پاؤں محبوس کے پاس جا بیٹھا۔ ریوالور نکال کر قریب رکھ لیا اور چاقو کمر سے کھینچ کر لرزتے ہوئے ہاتھوں، گھبرائے ہوئے دل، بے چین نظروں سے بیکار اور ظالم فقیر کی طرف مڑ مڑ کر دیکھتے ہوئے مظلوم بھائی کی رسیاں کاٹنے لگا۔ ہائے اس وقت اس کی عجیب حالت تھی۔ آنسو آنکھوں سے نکلے پڑتے تھے۔ نازک پہلو میں دل تڑپ رہا تھا اور برادرانہ خون کا جوش اسے بار بار اس بات پر مجبور کئے دیتا تھا کہ کسی طرح کھولنے سے پہلے مجروح اور مظلوم بھائی کو کلیجے سے لگا لے۔

اس طرح سے صرف ہاتھ اور پاؤں کی رسیاں کاٹنے پایا ہو گا جو ایکا ایکی نادان اسمٰعیل نے کسی اور خوف سے تڑپ کر آنکھیں کھول دیں اور

اپنی آزادی کے لیے کوشش کرتے ہوئے ایک اجنبی شخص کو دیکھ کر بے اختیار پکار اُٹھا " اے نیک دل مہربان! تم کون ہو؟

اس کا یہ کہنا تھا کہ فتنہ خفتہ بھی جاگ اُٹھا یعنی بے رحم فقیر نے بجلی کی طرح اپنی جگہ سے جست کی اور وہ خوفناک چھرا جسے یہ ہر وقت اپنے پاس رکھتا تھا آتے ہی بیٹھے ہوئے ہونہار جوان کے بائیں پہلو میں غرق کر دیا۔ اس نے تو یہ سمجھ کر کہ اب میں نے ایک ہی وار میں دشمن کی انتڑیاں ڈھیر کر دی ہیں چھرا مارا تھا مگر قدرت کی حفاظت سے گھبراہٹ اور کپڑوں کے ایک جگہ اکٹھا ہو جانے سے پہلو تو ہر پہلو بچ گیا لیکن ران میں گہرا زخم آیا اور خون بہنے لگا۔ شیر دل مجروح نے اس کی بھی کوئی پروا نہیں کی اور برابر سے طپنچہ اٹھاتے ہی فقیر کی جھکی ہوئی چھاتی کی طرف مڑ کر جھونک دیا۔

پستول کا فیر ہوتے ہی تیز کی فونسل جس نے کھاڑی میں پہنچتے ہی تمام افسروں کی کشتیوں کا حلقہ اسی لوہے کے برج کے گرد کر دیا تھا اور تاج کے بتائے ہوئے ہینڈل کو بمشکل ڈھونڈ چکا تھا دروازہ کھول معہ اس فوجی افسر اور اک دلیر کانسٹیبل کے اوپر چڑھ آیا۔ قریب تھا کہ دروازہ ہر دفعہ بند ہو جائے مگر اس نے اندر جا کر جلدی سے روکنے والا ہینڈل تھام لیا اور جب تک کہ اور دو ہمراہی برج میں نہ پہنچ گئے بہت ہی بے تابانہ انتظ

کا انتظار کرتا رہا۔ اتنے میں دوسرا فیر ہوا کیونکہ پہلا گھبراہٹ اور ناتجربہ کاری سے خالی گیا تھا اور فقیر نے جھنجھلا کر اپنا چھرا پہلے زخم سے نکالتے ہوئے حملہ آور کا نازک ہاتھ مروڑ کر رہا اور چھیننا چاہا تھا۔ یہ فیر کسی قدر تسلی بخش ہوا کیونکہ گولی قوی ہیکل فقیر کے داہنے شانے کو توڑ کر نکل گئی مگر اس نے بڑی چالاکی سے جھٹ اپنا اُلٹا ہاتھ نوجوان کی گردن پہ زور سے رکھ کر اسے وہیں گرا دیا اور چھاتی پر چڑھ کر قریب تھا کہ اسی خون آلود چھرے سے اس کا کام تمام کر دے جو وفادار بانکا پورا ترکی قونسل معہ ہمراہیوں کے ملک الموت کی طرح سر پہ پہنچ گیا اور اس جلاد کو جاتے ہی باندھ لیا۔

بہادر شیر دل مجروح نوجوان یا شریف خون کا اک اعلیٰ نمونہ پہلے زخم کی شدت اور اس دوسرے صدمے سے بالکل بے ہوش ہو گیا تھا۔ اس کے زخم سے خون کے فوارے بلند ہو ہو کر اس کی فتمندی کی مبارکباد دے رہے تھے اور وہ اپنے خیال میں حورانِ جنت سے ہمدوش تھا۔ ظالم قاتل فقیر کو گرفتار کرتے ہی ترکی قونسل دوڑ کر سب سے پہلے اپنے دوست کو سنبھالنے کے لیے بڑھا مگر گود میں لیتے ہی اسے معلوم ہو گیا کہ بجائے تاج کے وہ اک نازنین پری چہرہ کو لیے ہوئے ہے۔ لوہے کی متعدد چادریں گھبرائے ہوئے قدموں سے زلزلے میں تھیں اور مظلوم اسمٰعیل گھبرا گھبرا کر اس حیرت انگیز سین کا

کو دیکھ رہا تھا۔ سچ ہے ؎

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد

اگر خارے بود گلدستہ گردد

۲۰ دسمبر ۱۹۰۰ء

کتبہٗ محمد سرور صدیقی